قرآن و سنّت کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کے تقاضے

تالیف

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ
سابق چیئرمین عربک ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی

سلیمان اکیڈمی
اشرف منزل اسلامیہ کالج پشاور

پہلا نمبر۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

حضرت چھ نمبر پر کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن صحت نے اسکی اجازت نہیں دی۔ حضرت حاجی شمیم حسن صاحب نے چھ نمبر پر بیان جو حضرت والا کا پاٹل نمبر ۸ میں بعد نماز مغرب ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ کو ہوا تھا پڑھ کر سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو میرے ساتھ رکھ لیں میں نمبر پر لکھنے میں اس سے استفادہ کرنے کا لیکن مضمون لکھنے سے پہلے حضرت نے دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرمائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چھٹے نمبر کیلئے اس بیان کو ہی من و عن شامل کیا ہے اسلئے اسکو حسب معمول شائع کیا جا رہا ہے۔ (نعمان علی حسن)

کلمہ پر بیان

خطبہ ماثورہ اور سورہ جمعہ کے شروع کے چار آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا!

میرے عزیزو اور دوستو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جب نبوت دے کر مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام کمالات انعامات انوارات بھلائیوں اور خوبیوں کو لے کر آئی جو کہ انسان اپنی استعداد کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ انسان کی ترقیات کا جو اوج کمال ہے یا ترقی کے جس زینہ پر روحانی و مادی طور پر پہنچ سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام طریقے لے کر آئے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان طریقوں کو فرد کے حیثیت سے یا جماعت و قوم کی حیثیت سے اپنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر دینی و دنیوی ترقیات کے دروازوں کو کھول دینگے۔ پوری کائنات ان کے سامنے جھک جائیگی اور یہ انسان فرشتوں سے اونچا ہوگا۔ پوری مخلوق کی عزت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مسلمان کے برابر نہیں ہوگی۔ مسلمان کمال و عزت والا ہوگا۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ لے گا اور آخرت میں تو دیا جائیگا کہ

آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گزرا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے ساتھ زمین و آسمان و دنیا و آخرت کے تمام خزانوں کی چابیاں مسلمانوں کے آگے ڈال دی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو طریقے عطا فرمائے ہیں اگر ہم ان کو اپنالیں اور ان کی قدر کریں اور ان طریقوں کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے اور ہم یہ یقین کرلیں کہ تمام کامیابیوں کا راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی برکات کے دروازوں کو کھول دیگا۔ جب مسلمان غیروں کے طریقوں سے نگاہ ہٹائے، منہ کو موڑ لے اور کلیتاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرکے زندگی کا کمال و شرف وعزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں میں سمجھے تو اللہ تعالیٰ پوری مخلوق کو اس کے سامنے جھکا دے گا

قرآن شریف میں آتا ہے سخر لکم ما فی السموات والارض اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کئے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آسمانوں سے فائدے حاصل کر سکتے ہو، زمینوں سے حاصل کر سکتے ہو، اللہ کی ساری مخلوقات سے حاصل کر سکتے ہو اگر نگاہ ایک اللہ پر جم گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کو جان لیا۔ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کو مفتاح الجنۃ کہتے ہیں۔ مفتاح چابی کو کہتے ہیں یعنی جنت کی چابی مثلاً یہ کمرہ بند ہے اور کمرہ کے اندر دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں اور قیمتی اشیاء بند ہوں اور کمرے کو تالا لگا ہوا ہو اور سوائے اس تالے کے کھولنے کے اس کمرے میں جانے کی اور کوئی صورت نہ ہو اور وہ تالا بغیر چابی کے نہ کھلتا ہو تو ان تمام نعمتوں اور قیمتی اشیاء کا حصول بغیر چابی کے ناممکن ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک چابی لا الہ الا اللہ کی دی ہے جب

آپ اس کو جنت کے قفل میں لگا دینگے تو قفل کھل جائیگا اور دروازہ کھل جائیگا
اور تمام نعمتیں مل جائیں گی۔ جس طرح گھر کی نعمتوں کا حصول چابی کے
ذریعے سے ہے اسی طرح ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر لا الہ الا اللہ حقیقت کے ساتھ
آئے اور ہم اس پر یقین اور عمل کرنے والے بن جائیں تو

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ دنیا تمہاری جھولی میں ڈال دینگے آخرت جنتوں میں ڈال دی جائیگی اور اس دنیا
اور آخرت کی نعمتوں کا کیا کہنا، اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہو جائینگے۔ ان تمام نعمتوں
کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے لا الہ
الا اللہ محمد رسول اللہ تو دو بڑے بول نہ ہوں بلکہ اس کی حقیقت موجود ہو۔ خیر
بڑے بول بھی بہت قیمتی ہیں لیکن اصل چیز حقیقت و معنیٰ۔ ہم کلمے کے ساتھ یہ
یقین ہو کہ ہم خدا کی الوہیت اور اللہ کے ہونے کا اور اللہ سے ملنے کا یقین و اقرار
کرتے ہیں اور غیر سے انکار کر رہے ہیں۔ خدا کے سوا تمام غیر سے تعلق توڑ رہے
ہیں اور غیر کو اپنے دلوں سے خارج کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دلوں میں بسا
رہے ہیں۔ ہمارا ٹھکانا، ہمارا مقصود، ہمارا ملجا و ماویٰ اور تمناؤں کا مرکز اور خیروں
کے حصول کا ذریعہ بس صرف ایک اللہ ہے۔ میں اس کے سوا کسی کا طالب نہیں
اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑی تو اسی کے سامنے دامن اور ہاتھ پھیلاؤں گا اور غیر
کے آگے ہرگز نہیں پھیلاؤں گا۔ اگر پھیلا دیا تو عہد ٹوٹ گیا۔ اے اللہ میں نے ہر
ایک سے توڑا اور تجھ سے جوڑا۔ اے اللہ تجھ ہی سے بنتا ہے اور تجھ ہی سے بگڑتا
ہے۔ عزت تجھ سے ملتی ہے۔ رزق کی فراوانی تیری ذات سے ہے۔ غیر کے پاس
کچھ نہیں۔ جو تو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دینا چاہے کوئی دے

نہیں سکتا۔ سب کچھ تیرے پاس ہے مخلوق کے پاس کچھ نہیں۔ میں دیوانہ اور پاگل
نہیں کہ جس کے پاس کچھ نہیں اس کے پاس جاؤں۔ میں ہر چیز کو تیری ذات میں
دیکھ رہا ہوں بس ہر تمنا کو دل سے رخصت کرنے کا نام، ہر خواہش وجاہت اور حیر کو
دل سے نکالنے کا نام اور خدا کے یقین، محبت و خشیت کو دل کے اندر بسانے کا نام
لا الٰہ الا اللہ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت جب کھل جائے اور خدا کے انوارات
و تجلیات کو دیکھیں اور یقین ایسا آ جائے کہ سب کچھ خدا سے ہو رہا ہے جیسے پنکھا
خود بخود نہیں چل رہا ہے کوئی چلا رہا ہے پیچھے بجلی کی کرنٹ ہے جو دکھائی نہیں
دیتی۔ اس بجلی کی کرنٹ کے ذریعہ سے پنکھا چل رہا ہے اسی طور پر خدا کی قسم
مخلوق سے کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ میرے خدا کی قدرت و طاقت سب کچھ کر رہی ہے۔
جیسے بجلی دکھائی نہیں دیتی مگر پنکھا کے چلنے سے محسوس کی جا سکتی ہے اسی طرح
خدا کے احساس کے پیدا کرنے کا نام اور یقین کے پیدا کرنے کا نام ایمان ہے۔ وہ
خالق ہے، وہ باری ہے، وہ مصور ہے۔ جب مخلوق کو دیکھو تو مخلوق کی طرف
رجحان اور دھیان نہ جائے بلکہ بنانے والے کی طرف نظر جائے کہ یہ میرے اللہ کی
کاریگری ہے۔ صورت کو دیکھو تو مصور پہ نگاہ جائے۔ میرے اللہ نے اس صورت
و شکل کی صورت گری کی ہے۔ اس دنیا میں کتنے انسانوں کی شکلیں ہیں کیا یہ خود
بنے یا والدین نے ان شکلوں کو بنایا؟ سب کے سب ایک اللہ نے بنائے اور اس
کے ہاں شکلوں کے خزانے ہیں اور اسی جگہ ہیں بنائے کہ تم دیکھ سکتے ہو نہ میں
دیکھ سکتا ہوں۔ یصور کم فی الارحام کیف یشاء۔ ماں کے رحم میں
شکل کو بنایا۔ جس طرح چاہا، جیسا چاہا بنایا اور تین اندھیروں (فی ظلمت ثلثۃ
) میں بنایا۔ کیا ہم 5000 واٹ کے بلب کی روشنی میں ایک آنکھ یا کان یا پاؤں بنا
سکتے ہیں۔ اس نے تین اندھیروں کے اندر کان دل دماغ جگر آنکھ اور تمام اعضاء

جسمانی بنائے۔ دماغ میں کتنی باریک رگیں ہیں۔ اگر ایک آدھ آگے پیچھے ہو جائے تو بندہ بیٹھ جائیگا۔ دل کی حرکت تھوڑی دیر کیلئے بند ہو جائے تو قصہ ختم ہو جائے۔ میں نے جرمنی میں ڈاکٹر کو کان دکھائے تو اس نے کہا کہ کان میں ہلکی پھلکی ہڈیاں ہیں وہ تم گنتی میں ہیں ہم نے کبھی محسوس بھی نہیں کیا کہ یہ ہڈیاں ہل رہی ہیں اور آواز پہنچ رہی ہے۔ ہمارے بول کہاں سے آ رہے ہیں۔ جو ہمارے ذہن میں ہے وہ تو اثر کے ساتھ زبان بول رہی ہے یہ کس کا کرشمہ ہے خلق الانسان وعلمہ البیان۔ گونگا کبھی بول سکتا ہے زبان تو اس کی بھی ہوتی ہے یہ تو بلوانے والا بلواتا ہے۔ کان سنتے نہیں سنوانے والا سنواتا ہے۔ جو سب کچھ کرنے والا ہے ہماری نگاہ اس کی طرف جائے۔ یہ ایک نقشہ اللہ نے بنایا ہے کہ شکلوں پہ نگاہ ڈالے تو شکلوں کے بنانے والے کی طرف نگاہ اٹھے۔

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
خوب تصویر بنائی میرے بہلانے کو

کیسے نقشے قائم کئے۔ پھولوں کو دیکھو، کلیوں کو دیکھو، چاند ستاروں کو دیکھو، پانی کے قطروں کو دیکھو، اپنے اندرون میں غور کرو صنع الذی اتقن کل شیئ۔ یہ کاریگری ہے اس ذات کی جس نے ہر چیز کو کمال کے ساتھ بنایا۔ لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ کوئی خالق نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی بنانے والا نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی اولاد کا دینے والا نہیں سوائے خدا کے۔ سب کچھ خدا کرتا ہے۔ سوچا کرو کہ دل میں خدا کتنا ہے اور غیر کتنا ہے۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو یہ دل کل کا کل میرے خدا کو دے دو وہ اس کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ اس کو بڑھائے گا اور ان مقامات پر پہنچائے گا جہاں کا تم کو وہم و گمان بھی نہیں۔ دل میں راحت و چین کی ایک حیات پیدا کرے گا۔ جب دل کی طرف

نگاہ کرو گے تو سمجھو گے کہ بہشت ہی ہے اور جب مخلوق کی طرف نگاہ کرو گے تو کہو گے کہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر و سمن در آ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن در آ

سوچو کہ اگر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو مصیبت میں گرفتار ہوتا ہوں۔

سر کو جھکا کر بہار دل کے مزے لوٹو۔ باہر کی بہاروں کو دیکھتے ہو اپنے دل کی بہار کو دیکھو۔ دل میں گل بوٹوں کو دیکھو۔ جب دل کی طرف متوجہ ہو تو خدا کی گزرگاہ دکھائی دے۔ دل تو خدا کا مقام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے انوارات کا محل ہے۔

ہر لحظہ شان حسن بدلتی رہی جگر

ہر آن اک جہاں دگر دیکھتے رہے

کل یوم ھو فی شان۔ ہر آن ایک تجلی بھی ہر آن ایک ادا۔ دل کو جگاؤ گے تو پتہ چلے گا۔ مثال کے طور پر میں ایک ڈبہ (ریڈیو کیونکہ اس زمانہ میں ٹی وی عام نہیں ہوا تھا) لا کر رکھ دوں۔ میں اسکے گولے (بٹن) پھراتا ہوں۔ پشاور کو بھی نہیں پکڑتا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ میرا ڈبہ ٹھیک نہیں۔ مجھے کہا گیا کہ اس میں مشینری اور والو نہیں ہے یہ صرف ڈھانچہ ہے۔ گولوں کا تعلق تو اندر کے ساتھ ہے جب والو ہو اور مشینری بھی درست ہو تو لندن کو بھی پکڑے گا اور سیلون کو بھی پکڑے گا۔ ہمارے دل میرے ریڈیو کی طرح ہیں جس میں والو نہیں اس سے کیسے ہم بی بی سی وغیرہ سن سکتے ہیں۔ ریڈیو کے اندر وہ تاریں اور والو لگاؤ جن کو چھیڑ دو تو مختلف آوازیں سنائی دیں۔ بٹن پھیر دو تو کبھی مرغی کی بیٹ دکھائی دے جیسے ٹی وی میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح رب کے کمالات کو دل

میں دیکھو۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس وقت دل قیمتی ہو جائیگا۔ دل کی قیمت خدا کے تعلق سے ہے۔ اگر دل خدا والا ہے تو عرش اور کرسی سے زیادہ قیمتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے لا یسعنی۔ میری معرفت نہ آسمانوں کو حاصل ہو سکی اور نہ زمین کو۔ وہ مومن کا دل ہے جس میں میری معرفت سما سکی۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزار کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آزر است
دل گزرگاہ جلیل اکبر است

دل تو تجلیات رب کا مقام ہے اس دل کی قدر کرو۔ آج تو ایسا زمانہ آیا ہے کہ دل کی تبدیلی کے آپریشن میں سؤر اور بندر کے دل لگائے جاتے ہیں یہ دل اتنا قیمتی ہے کہ جس کی قیمت دنیا و مافیہا ادا نہیں کر سکتے۔ ہم نے دل کو دلی بنایا ہے کہ جس میں متعدد بلیاں رہتی ہیں۔ اس دل کو ہر غیر کی محبت و عظمت اور تعلق سے خالی کرو۔ اس کو کہتے ہیں لا الہ الا اللہ۔ تم کافی عرصہ تک اپنے کمرے میں جھاڑو نہ دو اور تمام گندگی اور کوڑا کرکٹ کمرے میں پڑا رہے اور تمہارا اگر کوئی دوست آجائے اور وہ تمہارے کمرے کی تمام پڑی ہوئی گندگی کو دیکھے تو کیا کہے گا؟ تو جیسے تمہارا کمرہ دوستوں کی گزرگاہ ہے ایسے تمہارا دل پروردگار کی گزرگاہ ہے۔ تو جس پر خدا نگاہ ڈالتا ہو فرشتے دیکھنے آتے ہوں تو اس کو آپ گندہ رکھتے ہیں باقی ہر چیز تو صاف ستھری رکھتے ہو اور ہر جا یہاں ہے خدا اس میں نہیں۔ نہ زبان ... تو کہتے ہیں

کہ اللہ۔ مگر دل میں نہیں ہم سب نے ابھی ابھی نماز پڑھی۔ تکبیر تحریمہ سے لیکر
سلام پھیرنے تک کتنی دیر اللہ میں مشغول رہے اور کتنی دیر غیر میں ؟ اللہ تعالیٰ کا
دھیان کتنا رہا اور غیر کا کتنا ؟ ہماری نماز میں سب کچھ ہوتا ہے صرف ایک خدا نہیں
ہوتا۔ اللہ اکبر کے کہتے ہی چابی دی موٹر چل پڑی چابی ختم ہوئی جب سلام پھیرا تو
پتہ چلا کہ گاڑی رک گئی ہے۔ سبحانک اللھم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پاکی
اور کبریائی دل میں آنی چاہیئے مگر ہمارے اللہ اکبر کے کہنے کے ساتھ ہمیں تمام
چھوٹی چھوٹی چیزیں یاد آگئیں۔ تماشہ غیر میں مشغول ہو گئے۔ وجہ یہ ہے کہ خارج
نماز میں جو سنتے ہیں اور جس چیز میں مشغول ہوتے ہیں وہ نماز میں یاد آتا ہے۔
چھابڑی والا تمام دن کہتا ہے کہ مولی لے لو گاجر لے لو کدو لے لو جب رات کو سوتا
ہے تو خواب میں بھی مولی گاجر لے لو کہتا ہے۔ جو خواب کے باہر حالت و نوعیت
ہے وہ خواب میں بھی ہے۔ خارج نماز میں ہم غیر میں گھٹیا مشغول ہوتے ہیں تو
نماز میں بھی اسی ہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ تمام دن جھک جھک بک بک میں گزرتا
ہے تو نماز میں بھی وہی جھک جھک بک بک رہتی ہے۔ نماز میں ہم خارج کی چیز کو
باہر نہیں چھوڑتے۔ جب امتحان کے دن قریب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے
پوچھتے ہیں کہ فلاں سوال ضروری ہے اس کو یاد کرنا چاہیئے ہم کو ہر فلاں ابن فلاں یاد
آتے ہیں لیکن ایک یاد نہیں آتا اور وہ ہے خدا کا دھیان۔ مرض کا سبب کیا ہے
دل میں غیر ہے جب تک غیر کو نہیں نکالو گے دل نہیں بنے گا یعنی دل بنتا ہے خدا
کے یقین کو دل میں جمانے سے اور غیر کے یقین کو نکالنے سے۔ اس یقین کو لینے
کیلئے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے لا الہ الا اللہ کی چابی ہے اس کو سیکھیں ہم
حاصل کریں کہ دنیا و آخرت قدموں میں آجائے ؟ آسان سا طریقہ ہے جب تم نے
کہا لا الہ الا اللہ کہ میرا مقصود خدا کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ مجھے ایک وعدہ اور

پیمان ہے اس بات کا کہ اے اللہ میں اپنی زندگی کے جزوکل ، انفرادی و اجتماعی
اور ظاہرو باطنی ، ہر حال میں تیرے حکم کو دیکھ کر چلونگا ۔ اللہ کے حکم کو دیکھ کر اور
مان کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے ۔ اپنی چاہت یا غیر کی مرضی کے مطابق زندگی
گزارنا لا الہ الا اللہ سے ہٹ جانا ہے ۔ ایک خدا کی سن کر چلنے کا نام ، ایک خدا کے
حکموں کو دیکھ کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے
آدمی تھے دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی ۔ ان کا نام سن کر اس
زمانے کے کو یچن اور بازنے تک (روس وچین) کے لیڈر کانپتے تھے ۔ صلاح
الدین ایوبیؒ سے عین چار سو سال تک عیسائی بچوں کو اپنی مائیں ڈراتی تھیں
حضرت عمرؓ ہر لحاظ سے بڑے آدمی تھے ۔ ذہن میں آیا کہ عورتوں کے مہر کی کچھ
تعداد مقرر کریں ۔ ایک بوڑھی عورت آئی اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کو کیا
اختیار ہے عورتوں کے مہر کے مقرر کرنے کا ؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ اگر مہر
میں ڈھیروں سونا دیا جائے تو واپس نہیں لے سکتے اور کہا کہ اے عمرؓ میں تیری
مانوں یا خدا کی مانوں ؟ مومن تو یوں کہتا ہے کہ اے عمرؓ تیری مانوں یا خدا کی ؟
حضرت عمرؓ اپنے کو مخاطب ہونے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ تیرا کیا حال ہے ؟ ایک
بوڑھی عورت کا حال تجھ سے زیادہ بہتر ہے ۔ ہم لوگ خدا کو دیکھ کر چلنے والے
نہیں رہے ۔ طلب و سکت اور شوق جاتا رہا ، درد و فکر جاتا رہا جس نے مومن کو
خدا والا بنایا تھا ۔ وہ آگ بجھ گئی جس سے دلوں کی انگیٹھیاں روشن تھیں جو کہ
خدا کو جتانے والی تھیں ۔ بقول اقبالؒ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

ہم تو راکھ ہو کر رہ گئے حالانکہ مومن تو ایک آگ ہے جس میں پورا کفر و ظلم اور

گناہ جل جاتا ہے۔ ہم پر اپنا نفس اتنا غالب ہو گیا کہ نفس کے تقاضوں پر خدا کے حکموں کو قربان کر دیا۔ اللہ کا حکم بڑا ہے یا ہمارا نفس؟ جب ہم نے نفس کا حکم مانا تو نفس کو کھلا بڑا بنایا۔ "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی چاہت نفس کو خدا بنایا ہے؟" لا الہ الا اللہ نام ہے نفس کی نہ ماننے کا اور خدا کی ماننے کا۔ جب تم خدا کے ماننے کے طریقوں پر آجاؤ گے تو خدا تمہارا ہو جائیگا۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کیلئے میں خدا چاہتا ہوں

نفسانیت اور چاہتوں کو آگ لگا دو خدا کیلئے جینے میں بڑا لطف ہے اگر خدا کیلئے نہیں جیو گے تو پھر کتے بلی کیلئے جیو گے۔ ہم عرش سے اونچے ہیں لیکن اگر گرینگے تو انتہائی گندگیوں میں غرق ہو جائیں گے۔ لا الہ الا اللہ تو کہتے ہو منہ سے کہو۔ اپنے دل کی گہرائی سے کہو کہنے کے بعد زندگی میں تغیر آجائے۔ صحابہؓ کا نام ہے اسلام۔ سے پہلے کفر اور شرک میں مبتلا تھے بتوں کے آگے سر کو جھکاتے تھے۔ جب لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تو زندگیوں میں تغیر آگیا۔ جو کام اسلام لانے سے پہلے کرتے تھے کیا وہ اسلام لانے کے بعد بھی کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے ذہن بدلے، دل بدلے، دماغ بدلے اور اعمال اور چاہتیں بدلیں، زندگی کے ظاہر و باطن بدلے، گویا کہ وہ پہلے والے لوگ تھے ہی نہیں۔ وہ گندے جسم والے جب خدا والے بنے تو ان کے اعمال پر اللہ تعالیٰ کو اتنا پیار آیا کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں اور پورا پاؤں زمین پر نہیں رکھتے تھے بلکہ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ کسی نے پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے جنازہ کے ساتھ چل رہے ہیں اور

انہوں نے اپنے پروں کو زمین پر پھیلایا ہے۔ زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ جب خدا سے اور پرے سکتے ہیں نہ ملے تو کیا نقصان؟ کسی نے کہا ہے۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی

دیوانۂ تو ہر دو جہاں چہ کند

اپنا دیوانہ بناتے ہیں اور دونوں جہان بھی بخشتے ہیں۔ تیرا دیوانہ دونوں جہانوں کو لیکر کیا کرے گا۔

آپ کو کسی سے محبت ہو جائے اللہ کرے تیری ہو شرک کی محبت نہ ہو۔ وہ کہے کہ میاں نہ مجھے دیکھو نہ مصافحہ کرو نہ بات کرو اور کمرے کے اندر جو چیزیں ہیں یہ لیکر چلتے بنو وہ کہے گا میں یہ چیزیں لیکر کیا کرونگا۔

ہم بتا آئے محبت سے بڑھالو پاندان اپنا

مومن ایک خدا کو چاہتا ہے اس عالم کو اس لئے چاہتا ہے کہ اس میں سے گزر کر خدا ملتا ہے اور اس میں اللہ میاں کی مرضی ہے مومن غیر کا طالب نہیں ہوتا ہے وہ خدا کا طالب ہوتا ہے ہمیں ابھی تک لا الہ الا اللہ نہیں آیا جب زندگی کا جزو کل ظاہر و باطن خدا کیلئے ہو جائے تو لا الہ الا اللہ آگیا۔ سوچو ہماری زندگی کے کتنے لمحات خدا کیلئے ہوتے ہیں اور کتنے خدا کیلئے نہیں ہیں؟ استنجا کیلئے جتنا وقت لگاتے ہو۔ گھنٹہ تو بہت ہوگا میں کہونگا کہ جتنا وقت اس خلوت کیلئے فارغ کرتے ہو کبھی خدا کیلئے بھی ایک گھنٹہ، جس میں خدا ہی خدا ہو فارغ کرو۔ استنجا کی حالت میں قریب سے قریب دوست کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ تنہائی کامل چاہتے ہو تو اس گندے کام کیلئے خلوت چاہتے ہو اور خدا کیلئے خلوت کو نہیں چاہتے یعنی کہ صرف خدا کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت غیر خدا کا دھیان نہ ہو۔ جیسے اندھیرا اور روشنی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جیسے نور و ظلمت اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح اللہ

اور اللہ کا فیر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تھوڑا وقت فارغ کرو پھر مزہ دیکھو۔ ذرد چیزے کا مزہ تو ہوتا ہے یہ تو مخلوق کے مزے ہیں کبھی اللہ میاں کا مزہ بھی دیکھو۔ بس اللہ سے دل لگ جائے تو پوری دنیا نظروں سے گر جائیگی۔ ایمان نام ہے خدا سے ہونے کا۔ ہم دوسری چیزوں میں اسلئے مشغول ہو جاتے ہیں کہ اس میں فوائد اور کمالات دیکھتے ہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو پھر اللہ کی طرف آئینگے۔ انسان کا دل جب کبھی کسی پر فریفتہ ہوتا ہے تو اس کے جمال وکمال ونوال کی وجہ سے ہوتا ہے تو سارے جمال وکمال و نوال اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خدا کے جمال وکمال اور اس کے احسانوں کو سوچا کرو تو غیروں سے گھن آنے لگی گی۔ اگر کمالات دیکھتے ہو تو ہمارے خدا کی طرح کمالات کسی میں نہیں۔ الا اللہ سے ہر غیر کو نکال بس اللہ ہی اللہ ہو۔ سب کچھ ہو اور اللہ نہ ہو۔ سب کچھ مل جائے اور اللہ نہ ملے تو صدر ایوب کی طرح بیڑہ غرق۔ صدر ایوب کے پاس سب کچھ تھا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں رہا۔ پوری حکومت دوسرے کے قبضہ میں چلی گئی۔ بس کچھ بھی نہیں۔ ایک اللہ کی ذات بس باقی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی ذات سے استفادہ کرنے کیلئے اور اپنے انعامات لینے لئے ایک کھلا دروازہ دیا ہے وأتوا البيوت من أبوابها امریکہ کی عمارات کی طرح نہیں کہ بلڈنگ تو بہت بڑی اور دروازہ چھوٹا سا۔ اللہ تک پہنچنے کا جو مین گیٹ ہے اور جو شاہراہ اعظم ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اعلیٰ ہے آپ کے قدموں کو سر پر رکھیں گے تو خدا تک پہنچ جائینگے۔ جیسے شٹ ہولی۔ بے سوئچ دبایا تو آناً فاناً اوپر پہنچ گئے۔ تو اسی طور پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اللہ کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آجائے تو تفنث کی طرح عرش سے لوٹے چلے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور دلارے ہو جاؤ گے۔ خدا کے پیار کے

جو کے بن جاؤ اللہ تعالیٰ بھی پیار کرے گا ان اللہ یحب المتقین ، ان اللہ یحب المحسنین ، ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ، اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگے ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرو گے تو اللہ پیار کرے گا چوے گا ۔ اوروں کے مجنوں کے پیچھے پھرتے ہو اللہ کی محبت کے طالب بن جاؤ ۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں ۔ جس کو خدا ملے اسے پھر کس چیز کی ضرورت ہے ؟ ہم کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر نہیں چلتے کہ ہمارا حول نہیں ۔ ہر وقت کھانے کمانے کی فکر میں ہیں بقول مولانا مرحوم ۔

اہل دنیا کافران مطلق اند
ہر زماں در جک جک و در بک بک اند

رات دن جک جک بک بک میں لگے ہوئے ہیں زراعت والے اس میں مشغول ہیں کہ فصل اور غلہ کیسے پیدا ہوں ۔ ڈاکٹر صاحب قصابی کے کام میں اور انجینئر صاحب اینٹ پتھر اور روڑوں میں مشغول ہیں ۔ خاک و مٹی میں لگے ہوئے ہیں ۔ تمام یونیورسٹی خاک و مٹی میں لگی ہوئی ہے ۔ بقول اقبالؒ

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا
تم تو شاہین کے بچے تھے تمہاری پرواز تو عرش سے اوپر تھی ۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

کہ ایسے لوگ بھی ہیں کہ فرشتے ان کے ہو گئے ۔ خدا اور پیغمبر کو بھی اپنا بنایا ایسی زندگی گزارو کہ اپنے لئے بھی اور مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤ ۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان کریمی ورحیمی اور کمالات سے حصہ لا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم
کو خدا والا بنایا۔ خدا والے بنو اور بناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل خدا کی
رحمت کو کھینچنے والا ہے۔ آپؐ کے وجود سے نکلنے والے ہر عمل کا ذرہ نور ہدایت ہے
۔ آفتاب ہدایت ہے۔ آپؐ اصل اور حقیقی رحمۃ اللعالمین ہیں اور ہم نقلی رحمت
العالمین ہیں۔ اگر نقل اصل کے مطابق ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ فمن تشبہ
بقوم فھو منہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ نے فرعون کے پاس بھیجا
تو اللہ تعالیٰ نے دو معجزے عطا فرمائے تھے۔ اس زمانہ میں مصر میں ظاہر کے لحاظ
سے جادو کا بہت زور اور چرچا تھا۔ جو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے دوسرے کو بھی
اسی طرح سمجھتا ہے۔ فرعون سمجھا کہ یہ بھی جادوگر ہے اور بادشاہی کو اپنانا چاہتا ہے
۔ جادوگروں کو بلایا انہوں نے موسیٰؑ کی طرح کمر میں کپڑا باندھا ہم بھی لیڈیوں کی
نقل کرتے ہیں کہ ان کو بڑا سمجھتے ہیں جب مقابلے کا دن آیا تو جادوگروں نے بھی
پٹکے کمر پر باندھے کہ ہم بھی بڑے جادوگر نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو پیار آگیا کہ وہ
میرے محبوب کی صورت بنا کر آئے ہیں ہم ان کو رد نہیں کرتے۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

صورت بناؤ سیرت اللہ ٹھیک کر دے گا۔ ظاہر بناؤ باطن وہ بنائے گا۔ خدا نے
فیصلہ کیا کہ میں ان جادوگروں کو فرعون والے نہیں بناؤں گا۔ جادوگروں نے
رسیاں پھینکیں۔ وہ ایسے نظر آرہی تھیں کہ سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں موسیٰ
علیہ السلام نے بھی اپنا عصا پھینکا۔ آسمان سے چار کتابیں آئیں۔ پانچواں آیا ڈنڈا
مجھ سے کسی نے کہا شریعت کیسے نافذ ہوگی۔ میں نے کہا کہ جیسے مارشل لا نافذ ہوتا
ہے۔ اگر اللہ کے احکام نافذ ہو جائیں تو تمام دین کے بارے میں تجربے ختم ہو

جائینگے ۔ چونکہ جادوگروں کے موسیٰ علیہ السلام کے نقل اتارنے پر ہدایت کا فیصلہ
ہو چکا تھا ۔ کہنے لگے کہ اگر یہ جادوگر ہوتا تو ہم کو اس طرح شکست نہ دیتا ۔ جادوگر
جادو کی حقیقت کو جانتے تھے فوراً پکار اٹھے قالوا آمنا برب العلمین ۔ رب
موسیٰ وہارون فرعون کہنے لگا کہ موسیٰ تمہارا رنگ لیڈر تھا تم سب کے سب
کے دائیں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دونگا جادوگروں نے کہا کہ کرو جو کچھ کر سکتے ہو ہم
ایمان لے آئے ہیں ۔ تو اگر حقیقت نہیں تو نبیؐ کی نقل ہی اختیار کرو خدا اس
نقل کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حشر کر دیگا ۔ جنت میں بھی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا نصیب ہوگا ۔ تبلیغ میں یہ موٹی سی بات کہی
جاتی ہے کہ یقین کو بنالو اور اعمال کر ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اختیار
کرو ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیا تھا ؟ مزارع کا کام کھیتی باڑی ، انجینئر کا کام
بڑھئی لوہاری اور ہمارے ڈاکٹر کا کام ڈاکٹری ہے ۔ ایک عمل ہوتا ہے اور ایک پیشہ
۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشہ کیا تھا قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ
بصیرۃ انا ومن اتبعنی ۔ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں
پوری بصیرت (سمجھ) کے ساتھ کہ میرا نام اسی میں ہے اور میری اتباع کرنے والے
بھی یہ کام کرینگے ۔ فوج میں بھرتی ہوگئے تو سفر میں سڑکیں بنائے ۔ آرٹلری میں
توپ چلائے گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شامل ہوگئے تو ان کا کام
کرو گے یعنی جو امام کی نیت وہ مقتدی کی نیت ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں
کہ میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ ہم ماوزے تنگ کی بات مانیں گے ۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کہتے ہیں میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ کارل مارکس اور لینن کی بات
مانیں گے جن کو پیٹ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا ۔ یقین اور عمل کے پانے کیلئے
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو سیکھنے اور ایمان کیلئے کچھ وقت نکالو اس کام

کو سکھیو اگر تم چاہو کہ کالج میں داخلہ مل گیا ہے اور پڑھو گے کچھ نہیں اور اس
خیال میں ہو کہ فرسٹ کلاس میں پاس ہو گے تو اپنے کو دھوکہ دیتے ہو رات کی
نیند کو اڑاؤ گے تو کچھ ملے گا۔ امتحان کے دنوں میں کام کی زیادتی اور فکر کی وجہ
سے رنگ بھی پیلے ہو جاتے ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے ہمارے ایک
دوست تھے جس کو امتحان کے دنوں میں Nervous break down ہو گیا
تھا مجھ سے کہا کہ دعا کرو کہ امتحان ہال میں پیشاب خطا نہ ہو جائے۔ دین کے کام کا
بھی ایک کورس و نصاب ہے۔ زندگی میں ایک دفعہ چار مہینے اللہ کے راستہ میں لگا
لو جتنا گھسو گے تو کچھ آئے گا۔ بوٹ پہ پالش خوب لگاؤ لیکن رگڑو نہیں تو چمک
نہیں آئے گی۔ اللہ کے راستہ میں نکلو اور مجاہدہ کرو انشاء اللہ چمک جاؤ گے۔ ارادہ
کر لو اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیا میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں
یہاں سے زندہ اٹھوں گا؟ کیا پتہ ہے کہ ملک الموت آجائے اور کام تمام ہو جائے
۔ کیا ایک پل کی اجازت دے گا؟ اللہ تعالیٰ تمہاری عمروں میں برکت دے۔ پھر
ایک نہ ایک دن کو تو کہیں جاؤ گے۔ اگر ہم ارادہ کریں کہ اے اللہ یہ زندگی پوری
کی پوری تیرے حکموں کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پہ
گزاروں گا تو نیت کا ثواب تو مل جائیگا۔ ایک نیکی تو ابھی سے لکھ دی جائیگی۔ ہم نیت
کریں کہ اے اللہ یہ زندگی تیری ہی دی ہوئی ہے اور تیرے لئے اس کو لگاؤنگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور پھر یہ ارادہ کرو کہ موقع ملے گا تو چار مہینے اللہ کی راہ میں لگا لونگا۔ گرمی کی
چھٹیوں میں 40 دن کیلئے اللہ کے راستے میں نکل جاؤ۔ عمروں میں تو کئی سال
گزارے اب جو وقت ہے اسے اللہ کے راستے میں لگا دو۔ ابھی سے ارادے کرو

نماز

حقیر و بے نوا ضعیف و کمزور انسان کو مکالمہ الہی اور دید خداوندی سے سرفراز
کرنے، رحمت الہیہ کی معراج اور سراپا قدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کی
راہیں کھولنے اور امر الہی کا پابند کرنے اور اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا
کرنے کے لئے اسلامی نماز کا فریضہ پنجگانہ مقرر کیا گیا کہ عبدیت و خدائی
معبودیت نماز کی باقاعدہ اور صحیح بجا آوری کا لازمی نتیجہ ہیں جس میں بندہ اپنی
مرضیات و خواہشات کو فنا کر دیتا ہے۔ اور ایک بے جان کل کی طرح
اوامر الہی کا پابند ہو جاتا ہے۔ کبھی آقا کے سامنے ہاتھ باندھے اس کی پسند
کے مطابق کلمات پڑھتے ہوئے اس کی کبریائی و صمدیت اور عظمت و
جبروت کا دھیان اور کبھی بارگاہ جلال میں اپنی بلند پیشانی کو نیاز مندی کی
خاک سے عزت بخشتا ہے۔ جو پروردگار کا حکم ہوتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ جو
اس کی مرضی ہوتی ہے۔ وہی کہتا ہے۔ گویا وہ ایک جسد بے روح ہے۔ جس
کی ہر ہر حرکت کی فاعل وہی یکتا و مستقل ذات ہے۔ جس کی الوہیت کا
بندہ عجز اقرار کر چکا ہے۔ گویا وہ اپنے جسم و روح کو اپنے مالک کے سپرد کر

دیتا ہے۔ کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے۔

چشم و گوش و دست و پایم او گرفت ◦ من چہ در قم سرانم او گرفت

قولاً و فعلاً ظاہراً و باطناً اوامر الٰہیہ کی بے چون و چرا پابندی نماز کا خاصہ ہے اور اسلامی زندگی کی حقیقت، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ کی روح بھی یہی ہے۔ کہ اپنی خواہشات و مرضیات کو مٹا کر خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اوامر الٰہیہ کی پابندی کی جائے۔ نماز کی اس کے آداب و ارکان کی پابندی کے ساتھ ادائیگی عظمت الٰہی اور جذبہ بندگی پیدا کرنے کا سہل ترین زینہ ہے۔ کیوں کہ نماز کی روزمرہ پانچ بار تکرار ہمارے لیے نفسیاتی طور پر اوامر الٰہی کے سامنے جھکنے اور اپنے کو خدائے عزوجل کے سپرد کرنے کی باعث بنتی ہے جب ہم بار بار اللہ کے سامنے جھکنے کی پابندی کرتے ہوئے دن میں پانچ مرتبہ اسکے حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ احکام الٰہیہ کی پابندی کا جذبہ بھی بڑھتا جاتا ہے جو ہمارے لئے عبدیت کی زندگی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اسلئے کہ جب ہم بار بار اپنی خواہشات اور مرضیات کو مٹا کر اللہ سے (نماز کے ذریعے) رشتہ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو عبدیت کے راستہ کا وہ سنگ گراں جسے "ہوی"

جسکے صدقے سے یاد کیا جاتا ہے ان عظیم فرشتوں سے چار ہو جاتا ہے۔ اور انسان

متقاضائے عبدیت یعنی رضائے مولا سے ہم کنار ہو جاتا ہے کا قول ہے کہ اللہ

اور بندے میں ایک قدم کا بعد ہے۔ اگر ایک پاؤں اپنی خواہش (ہوی) پہ

رکھے تو بس دوسرے قدم میں مقصد حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے اس

حقیقت کو ان الفاظ میں آشکارا فرمایا ہے۔

وامامن خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی ٭ فان الجنۃ ھی الماوی ٭ (النزعات۔۲)

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا۔ اور نفس

کو (حرام) خواہش سے روکا ہو گا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔ (ترجمہ حکیم الامت

تھانوی)

ہوائے نفسانی کو توڑنے، فواحش و منکرات سے روکنے اور شان عبدیت پیدا

کرنے کے یہی خاصیات نماز کا لازمہ ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد

ہے۔

اتل مااوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (

العنکبوت۔۵)

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ سے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے

۔ بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ گویا تلاوت کتاب (قرآن) سے جس زندگی کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے اس کا اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک جوان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ برائیوں سے نہیں بچتا تھا۔ اس کی حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن اس کی نماز اس کو بچائے گی۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور بچ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام احمد نے مسند میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک چور شخص کے نمازی ہونے کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نماز کی برکت سے اس کی چوری کی عادت چھوٹ جائے گی۔ (احسن التفاسیر ص۱۴۔ج۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام زندگی اور حیات طیبہ دنیا میں لے کر آئے تھے۔ اسکے نشوونما کے لئے اس آب حیات (نماز) کا دائمی و ہمہ گیر تقاضا لازمی و لابدی تھا۔ اس زندگی کی آبیاری کے لئے نماز کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کسی کھیتی کو پانی کی ہو سکتی ہے۔ یہی آب زلال تو وہ سرچشمہ

ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی رگ رگ میں ایسی فرحت پہونچ رہی کی بالیدگی کا سبب بنتی ہے۔ ایسی تروتازگی اور روحانی طراوت و ٹھنڈک کا خزینہ ڈھونڈھنے والوں کو اسی نماز میں نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ حیات اسلامی کے اسوہ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

بنائی گئی ہے۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں۔

اس فرحت چشم و جگر کا راز یہ ہے۔ کہ نماز میں محبوب ازلی کا جو قرب نصیب ہے۔ وہ اس دنیا میں کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ جیسا کہ (واسجد واقترب) (السجدہ) اور سجدہ کر اور قریب ہو۔ کی نص قرآنی شاہد ہے۔ اور پھر ان لمحات میں کشتگان محبت کو عرض و نیاز اور نگاہ لطف و کرم کا وہ موقع نصیب ہوتا ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی علیہ السلام ہے۔

(ان فی الصلوۃ لشغلا۔ صحیح مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوۃ) نماز میں ایک اور ہی شغل (مصروفیت) ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرات کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تم میں

سے ہر ایک اللہ سے مناجات کر رہا ہے۔ تو وہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مناجات میں اونچی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔ (ابوداؤد ـ صلوٰۃ اللیل)

نمازی میں علائق دنیوی کے رشتے کٹتے ہیں گناہوں کی کثافتیں دھلتی ہیں اور کدورتوں کا زوال ہوتا ہے۔ اور انسان کی روح نا محسوس سکون سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ کہ قلبی اطمینان بغیر ذکر الٰہی کے ممکن نہیں۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ہ (رعد ـ ۴)(اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو تسکین ہوتی ہے۔)

اور نماز کا مقصد یاد الٰہی بتایا گیا ہے۔ واقم الصلوٰۃ لذکری (اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔)

قلب انسانی نمازی کی بدولت تجلیات و انوار الٰہی کا مہبط بنتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ "نماز دل کی روشنی ہے۔" (سیرت النبی ص ۲۰۵ ج ۵ بحوالہ کنز العمال جلد ۴ کتاب الصلوٰۃ) عشق الٰہی کی تابانیاں نمازی کو سراپا نور بنا دیتی ہیں۔ ذوق و شوق کی کیفیتیں مجبور روح انسانی کو سرور و وجد کے اس بے کیف عالم میں پہنچا دیتی ہیں۔ جہاں پر تو دل کے سوا کوئی نقشہ نہیں اور

بے حرف و صوت کلام سرمدی کے سوا کوئی ہماسامعہ نواز نہیں ہوتی ۔ جہاں حسن ازل کے سامنے ماسوا کے تمام نقوش مٹ کر رہ جاتے ہیں ۔ اور قلب انسانی ماسوا سے فراغت کے اس مقام پر جا پہونچتا ہو جہاں کہنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے ۔ کہ

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی ۔ اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی ۔ (مجذوب)

یہ نماز ہی تو ہے ۔ جو کیف و مستی کے اس عالم میں انسان کو پہونچادیتی ہے ۔ کہ ایک رات دو صحابی پہرہ دینے کیلئے میدان جنگ میں متعین ہوتے ہیں ۔ ایک سو جاتے ہیں ۔ دوسرے نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ دشمن ان کو تاک کر تیر مارتے ہیں ۔ جو بدن میں پیوست ہو جاتے ہیں ۔ لیکن لطف و سرمستی میں کمی نہیں ہوتی ۔ نماز جاری رہتی ہے ۔ کہ جو پیاری صورت شروع کی تھی اس کا سرور ہنوز باقی تھا ۔ (ابوداود کتاب الطہارت باب الوضوء من الدم)

عشق کا تموج بے خودی کے ان مقامات پر جا پہنچتا ہے ۔ کہ فاروق اعظم ایک شقی کے خنجر سے امت کے فرائض انجام دیتے ہوئے خاک و خون میں لوٹنے لگتے ہیں ۔ لیکن مقتدی محبت کی پہنائیوں سے باہر آنے سے مجبور ہیں

۔جب نماز ختم کر کے اس عالم محویت سے باہر آتے ہیں تب خلیفۂ وقت کی
طرف توجہ کی جاتی ہے۔

چوں نمازی گذاردم بختہ خبر نہادم ۔ کہ تمام شد و کوسے یا امام شد فلانے

قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کا یہ واقعہ توصیف و
تعریف کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اذ عرض علیہ بالعشی الصفنت الجیاد ۔ فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی
حتی توارت بالحجاب ۔ ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق ۔(ص۔۳)(چنانچہ
وہ قصہ انکا یاد کرنے کے قابل ہے) جب شام کے وقت ان کے روبرو اصیل (
اور عمدہ) گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی
محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب
پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔ (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو
ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ سو انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (
تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (ترجمہ حکیم الامت تھانوی) کہ اللہ کے
صاحب شوکت نبی سلیمان ابن داود علیہم السلام نے اللہ کے ذکر میں حائل کی
وجہ سے گھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں اڑادیں تھیں تو مکتب رسالت صلی

اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ بھی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی
روشنی نماز کے کیف و سرور میں اگر کسی چیز کو حارج دیکھتے تھے۔ تو اسے
قربان کرکے رکھ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز
پڑھ رہے تھے۔ ایک خوشنما چڑیا نے سامنے آ کر چہچہانا شروع کیا۔ حضرت ابو
طلحہ رضی اللہ عنہ دیر تک ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ پھر جب نماز کا وقت آیا تو
رکعت یاد نہ رہی۔ دل میں کہا اس باغ نے یہ فتنہ برپا کیا ہے۔ یہ کہہ کر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ راہ خدا میں نذر ہے۔

اسی طرح ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز میں مشغول تھے۔ باغ اس وقت
نہایت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ پھلوں کی طرف نظر اٹھ گئی
تو نماز یاد نہ رہی۔ جب اس کا خیال آیا تو دل میں نادم ہوئے کہ دنیا کے مال و
دولت نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا
زمانہ تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ باغ جس نے مجھے
فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ راہ خدا میں دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے اس کو بیت المال کی طرف سے بیچا۔ تو پچاس ہزار میں فروخت ہوا۔

(سیرت النبی ص ... مسخ شدہ بحوالہ موطا مالک کتاب الصلوۃ)

یہ نماز ہی کی کیف انگیزیاں تھیں جو ایسے مافوق العادت واقعات کے ظہور کا باعث بنیں۔ ان کیف انگیزیوں کی بدولت خالق کی سوا ہر چیز سے بندہ کا قلبی تعلق ٹوٹ گیا اور ماسوا کی محبتیں جاتی رہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی راہیں انسان پر کشادہ ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں یہی ایک فریضہ ہے۔ جو ہر مرد و زن امیر و فقیر بوڑھے اور جوان پر فرض ہے جو سن بلوغ سے لیکر آغوش لحد تک کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ نہ میدان جنگ کے ہیبت ناک احوال و مناظر اس فریضہ کی ادائیگی میں مانع آسکتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور عذر علاوہ ضیاع ہوش و حواس کے اس کے ترک کا عذر بن سکتا ہے۔ اعذار کی صورت میں آسانیاں ضرور فرما دی گئی ہیں۔ لیکن مسلمان رہتے ہوئے کسی صورت میں بھی اس فریضہ کی بجا آوری سے فرار ممکن نہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

واقیموا الصلوٰۃ و لاتکونوا من المشرکین (روم۔۲) اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

گویا نماز کا ترک مشرکوں میں سے ہو جانے کا ہم معنی ہے۔ کفار سے جب

پوچھا جائے گا۔ کہ جہنم میں تم کیوں ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔

لم نک من المصلین (مدثر ۴۰) ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ (مشکوۃ ص ۵۸ بحوالہ مسلم)

بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (یعنی اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر (کی سرحد) سے جا ملے گا۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں وعید ہے۔

عبداللہ ابن بریدۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

العھد الذی بیننا وبینھم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر (مشکوۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد، ترمذی ونسائی وابن ماجہ)

ہمارے اور ان کے درمیان صرف نماز کا عہد ہے۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا وہ کافر ہوا (یعنی اگر ترک کو حلال جان کر نماز نہ پڑھی۔

انس ابن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

قال لیس بین العبد والشرک الا ترک الصلوۃ فاذا ترکھا فقد اشرک (ابن ماجہ

باب فیمن ترک الصلوٰۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندے اور شرک کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے۔ جب نماز چھوڑ دی تو اس نے شرک کیا۔ عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ جو شخص نماز پر محافظت کرے گا۔ تو نماز اس کے لیے قیامت میں روشنی برہان (ایمان کی واضح دلیل (کمافی المرقاۃ) اور ذریعہ نجات ہوگی۔ اور جو نماز پر محافظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ روشنی ہوگی نہ دلیل (ایمانی) اور نہ نجات۔ اور قیامت کے روز وہ قارون فرعون اور ابی ابن خلف کی معیت میں ہوگا۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد ودارمی وبیہقی)

امام بغوی نے شرح السنۃ میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں عبداللہ بن شقیق کا یہ قول روایت کیا ہے جو مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی منقول ہے۔ (کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ) (مشکوٰۃ ص ۵۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ اسی قبیل سے قول عمر فاروق

اور ابن مسعود رضوان اللہ علیہم سے ملا علی قاری نے روایت کئے ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ جس نے عمداً نماز چھوڑی اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے ۔ نماز کا ترک کفر ہے ۔ (بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۷۰ بحوالہ مرقاۃ) ان اقوال کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے ۔ جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے ۔ جسے امام سیوطی نے در منثور میں بزار کے حوالہ سے نقل کیا ہے ۔ کہ (لا سہم فی الاسلام لمن لا صلوٰۃ لہ) (رسالہ نماز از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ص ۱۱) اسلام میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جسم دین کیلئے بمنزلہ سر کے قرار دیا ہے ۔ چنانچہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں یہ بھی) فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اسکے پاس دین نہیں ۔ نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے ۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے ۔ اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں) (حیاۃ المسلمین امام تھانوی ص ۱۰۰ بحوالہ طبرانی اوسط و صغیر)

ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس کے

جملے دو اجزاء ہیں (اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تشرک باللہ شیئاً وان
قطعت و حرقت ولا تترک الصلوۃ مکتوبۃ فمن ترکہا متعمداً فقد برئت منہ الذمۃ اللہ
ورسولہ) کہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ اللہ
کے ساتھ شرک نہ کر اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تجھے جلا
دیا جائے اور فرض نماز عمداً نہ چھوڑ کہ جس نے اسے چھوڑ دیا جان بوجھ کر وہ
اللہ و رسول کے ذمے سے نکل گیا۔ اسی تقریباً ہم معنی حدیث امام منذری
نے ترغیب میں طبرانی و محمد ابن نصر کے حوالے سے عبادہ ابن صامت
صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
سات باتوں کی وصیت کی جن میں سب سے پہلی اور اہم دو باتیں یہ تھیں۔
(لا تشرکوا باللہ شیئاً وان قطعتم او حرقتم ولا تترکوا الصلوۃ متعمداً فمن ترکہا فقد خرج
من الملۃ) (رسالہ نماز ص ۱۱ از مولانا محمد منظور نعمانی) اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ
کرو۔ اگرچہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے
اور خبردار کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو کیونکہ جس نے عمداً نماز چھوڑی وہ ملت
سے نکل گیا۔)

اسلام میں نماز کی جو اہمیت ہے۔ ان وعیدوں سے ظاہر ہے۔ جو اس کے ترک پر نقل کی گئی ہیں۔ بلکہ قرآن میں تو نماز میں سستی و کاہلی کو منافقین کی علامت بتایا ہے۔ (واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ۔ جب وہ نماز کو اٹھتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے اٹھتے ہیں۔) ایمان کی ظاہر نشانی اور توحید کے بعد پہلا حکم نماز ہی ہے۔ جس سے انسان کی باطنی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اسلامی زندگی کی تمیز بھی اسی نماز سے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن و حدیث میں اس قدر نماز کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف، بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے۔ (سیرت النبی ص ۱۷ ج ۵) اور احادیث کی کتابیں "کتاب الصلوٰۃ و ابواب الصلوٰۃ" کے عنوانات سے نماز کے متعلق لاتعداد احادیث کے ذخیرے سے گرانبار ہیں۔ جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ نماز ہی اللہ کو سب اعمال سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے وہ کون سا عمل پسند ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الصلوٰۃ لوقتہا۔ اپنے وقت پر نماز" (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص ۵۸) ام فروہ انصاریہ رضی

اللہ عنہ کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اول وقت پر نماز سب سے بہترین و افضل عمل ہے۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابو داؤد۔ مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ)۔

آپ علیہ السلام نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔ کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے ترک کیا اس نے اپنے دل کی دینداری کو برباد کیا۔ (سیرت النبی ص ۴۳، ج ۵ بحوالہ کنز العمال)

طائف کے وفد نے جب مدینہ آ کر صلح کی بات چیت شروع کی تو نماز، جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ ہونا چاہا۔ آپ نے پچھلی دو باتوں سے مستثنیٰ کر دیا۔ لیکن نماز کے متعلق فرمایا۔ "ولا خیر فی دین لیس فیہ رکوع" جس دین میں اللہ کی طرف جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابو داؤد جلد ثانی باب۔ ماجاء فی خبر الطائف ص ۷۲، ج ۲) دارمی نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "جنت کی کنجی نماز ہے" (حیاۃ المسلمین ص ۹۵) نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام مسلم ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ و رمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنبت الکبائر۔ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے

درمیانی زمانے میں (سرزد شدہ گناہوں) کا کفارہ ہے۔ جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔) حضرت ابوہریرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیتم لو ان نہرا بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمسا ھل یبقی من درنہ شیئ قالوا لا یبقی من درنہ شیئ قال فذالک مثل الصلوات الخمس۔ یمحو اللہ بہن الخطایا۔ (مشکوۃ ص ۵۰ بحوالہ بخاری و مسلم) آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو۔ اور اس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر کچھ میل بھی رہ جائے گی۔ لوگوں نے کہا بالکل میل نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے خطائیں معاف کرتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ''ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا۔ اور پھر ندامت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے (گناہ) کی اطلاع دی۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

(اقم الصلوۃ طرفی النہار و زلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیات (ہود ۱۱۴) قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے کہ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔) اس آدمی نے پوچھا۔ یا رسول اللہ کیا یہ (

کفارہ گناہ) صرف میرے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لیے ہے۔ (صحیح بخاری باب الصلوٰۃ کفارۃ ص ۷۵ ج ۱) عبادہ ابن صامت سے روایت ہے۔ (عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات افترضهن الله تعالى من احسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن واتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد ان يغفر له ومن لم يفعل فليس له على الله عهد ان شاء غفر له وان شاء عذبه (رواه احمد وابو داؤد وروى مالك والنسائي نحوه مشکوٰۃ ص ۵۸) ابو قتادہ بن ربعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اور اپنے ذمے یہ بات لازم کر لی ہے کہ جو ان کی محافظت ان کے وقت پر کرے گا۔ اسے میں ضرور جنت میں داخل کرونگا۔ اور جو ان کی محافظت نہیں کرے گا مجھ پر اسکی کوئی ذمے داری نہیں۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی فرض الصلوات الخمس ص ۱۰۰)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں (خزاں میں) باہر نکلے۔ درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر میں نے جواب دیا کہ (ابوذر) حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا۔ جب مسلمان بندہ خلوص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں۔ جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل ثالث بحوالہ احمد)

زید ابن خالد الجہنی سے روایت ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی سجدتین لا یسھو فیھما غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ (مشکوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد)

محدث طیبی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ "اس حدیث میں غافل نہ ہونے سے مراد حضور قلب اور عبادت کا اس طرح کرنا گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ (مرقاۃ) یہی وہ مقام ہے۔ جو معراج المومنین اور حیات اسلامی کی غایت قصویٰ ہے۔ کہ انسان کے لئے قرب و معیت الٰہی سے بڑھ کر کوئی شے عزیز و رفیع نہیں ہو سکتی اور انتہائے قرب اس عالم میں نماز ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی نے تحریر فرمایا ہے۔

"اور نیز جان لیں۔ کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں روایت کے رتبہ کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب رویت

کے وقت۔ اور جان لیں۔ کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں۔ اور نماز
اصلی مقصد۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۶۱ بنام حاجی خضر افغانی)
قرب الٰہی کے سب سے بڑے مشتاق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ
سے بلال کو کہا کرتے تھے۔ (قم یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ) اے بلال اٹھو اور نماز
کا انتظام کر کے مجھے راحت پہنچاؤ۔ کہ آتش ہجر و فراق نماز ہی سے بجھ کر
راحت کا سبب بن سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ ہی نے فرمایا "انسان
آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔ (سیرت النبی جلد
پنجم ص ۲۰ بحوالہ کنز العمال جلد رابع) غالباً یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جس نے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا۔
جس نے پتھروں سے لہولہان کرنے والے طائف کے باشندوں کو عذاب ا
لٰہی میں تباہ ہونے نہ دیا۔ جس نے زخم کھا کر اور دانت شہید کروا کر "اللھم
اھد قومی فانھم لا یعلمون" کا امرت چھڑکا۔ جس نے اپنے جلا وطن کرنے اور
ہر قسم کی اذیتیں دینے والوں کو "لا تثریب علیکم الیوم" کے معافی نامے
سے نوازا وہ مجسم رحمت بھی اس بات پہ مجبور ہو گئے۔ کہ قرب الٰہی کی ان پر
کیف ساعتوں میں مخل ہونے والوں پہ بددعا کرے۔ چنانچہ عبداللہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قائم یصلی عند الکعبۃ وجمع قریش فی مجالسھم اذ قال قائل منھم الا تنظرون الی ھذا
المرائی ایکم یقوم الی جزور آل فلان فیعمد الی فرثھا ودمھا وسلاھا فیجیء بہ ثم یمھلہ حتی
اذا سجد وضعہ بین کتفیہ فانبعث اشقاھم فلما سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وضعہ بین کتفیہ وثبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجدا فضحکوا حتی مال بعضھم علی
بعض من الضحک فانطلق منطلق الی فاطمۃ وھی جویریۃ فاقبلت تسعی وثبت
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجدا حتی القتہ عنہ واقبلت علیھم تسبھم فلما قضی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ قال اللھم علیک بقریش اللھم علیک بقریش اللھم
علیک بقریش بعمرو بن ھشام وعتبۃ بن ربیعۃ وشیبۃ بن ھشام وعتبۃ بن ربیعۃ و
شیبۃ بن ربیعۃ والولید بن عتبۃ وامیۃ بن خلف وعقبۃ بن ابی معیط وعمارۃ بن
الولید قال عبداللہ فواللہ لقد رایتھم صرعی یوم بدر ثم سحبوا الی القلیب قلیب
بدر ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واتبع اصحاب القلیب لعنۃ (صحیح بخاری
باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی ص ۷۴ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود
رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس (
کعبہ میں) نماز پڑھ رہے تھے اور قریش اس وقت اپنی مجلس میں (کعبہ ہی

میں) جمع تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم اس ریاکار (نعوذباللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھتے ہو۔ تم میں سے کون فلاں خاندان کے اونٹوں کے پاس جا کر اوجھڑی کی الجھ (وہ پردہ جس میں جنین ہوتا ہی) مع لید اور خون لائے گا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مہلت دیگا۔ یہاں تک کہ آپ سجدے میں چلے جائیں تو آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دے۔ پس ان میں سے شقی ترین (عقبہ ابن معیط اس کام کے سرانجام دینے کے لئے) اٹھا اور آپ سجدے میں گئے۔ آپ کے کندھوں پر یہ نجاست رکھ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے۔ کفار قریش نے اس منظر پر ہنسنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گئے۔ کسی شخص نے جا کر حضرت فاطمہ (جو ابھی کم عمر لڑکی تھیں) کو اطلاع کی۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں۔ سرِ اقدس [illegible] ں اللہ علیہ وسلم ہنوز سجدے میں تھا۔ یہاں تک کہ جناب فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہ نے یہ نجاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں سے اٹھا کر پھینکی۔ اور کفار کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے اللہ قریش کو ہلاک کر اے اللہ قریش کو ہلاک کر اے اللہ قریش کو ہلاک کر۔ پھر نام لے کر بددعا دی۔ اے اللہ

عمرو بن ہشام (ابو جہل) عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید ابن عتبہ، امیہ ابن خلف، عقبہ ابن ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کو بد دعا دی۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم جنھیں حضور علیہ السلام نے بد دعا دی تھی۔ میں نے بدر کے دن انھیں منتشر حالت میں پڑے دیکھا۔ پھر گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں انھیں ڈال دیا گیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کنوئیں کے رہنے والوں کی لعنت و پھٹکار تابع ہو گئی۔ یعنی یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سخت ترین بددعا اس دن
نکلی جب کہ غزوہ احزاب میں جنگی مصروفیت کی وجہ سے آپ کی نماز عصر
فوت ہو گئی ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ۔ قال لما کان یوم
الاحزاب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملأ اللہ قبورھم و بیوتھم نارا کما حبسو
نا وشغلونا عن الصلوۃ الوسطی حتی غابت الشمس (صحیح مسلم باب الدلیل لمن
قال الصلوۃ الوسطی ھی الصلوۃ العصر ص ۲۲۴ ج ۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
۔ غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ ان کفار کی
قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے ۔ جس طرح انھوں نے ہمیں نماز
وسطیٰ (عصر) کے پڑھنے سے مشغول اور باز رکھا ۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا
۔ (اور نماز قضا ہو گئی) غور کیجیے وہ رحمت مجسم اور پیکر حلم و کرم جو ایک ایک
انسان کو آگ سے بچانے کے لئے رات دن فکر و غم میں گھلا جارہا تھا ۔ ایک
نماز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس قدر آزردہ خاطر ہو جاتا ہے ۔ کہ جن کی
ہدایت کے لئے دندان و جبین مبارک کے زخمی ہونے کی حالت میں بھی زبان
سے دعا کے کلمات نکلتے تھے ۔ انھیں کی قبور و بیوت کے آگ سے بھرنے
کی بددعا کے لئے مجبور ہو جاتا ہے ۔ نماز کی اندرونی کیفیتوں کے واقف ہی

جان سکتے ہیں ۔ کہ خلوت خاصہ کی کیا راز ونیاز کیف انگیزیاں تھیں ۔ جن کی

توحید کی کی وجہ سے حلم و صبر کا یہ وسیع پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

میان عاشق و معشوق رمز یست کراما کاتبین راہم خبر نیست

امام ربانی سرہندی صاحب اپنے مکتوب میں "لی مع اللہ وقت" کی تشریح میں

لکھتے ہیں ۔ کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود استمرار وقت کے ایک

خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا ۔ اور وہ وقت ادائے نماز کا وقت تھا " الصلوٰۃ

معراج المومنین " آپ نے سنا ہو گا " ارحنی یا بلال " (اے بلال مجھے غم سے

آزاد کر یا راحت پہنچاؤ) اس مطلب کے لئے عادل گواہ ہے اور ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ (جن سے یہ قول "لی مع اللہ وقت" منقول ہے) بھی وراثت اور

تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہوں گے ۔ کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو آپ علیہ السلام کے تمام کمالات

سے وراثت کے طور پر کامل حصہ حاصل ہوتا ہے " ۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر

اول مکتوب ص ۲۱۲) نماز کی ۔سی خصوصیات تھیں ۔ جن کی وجہ سے صحابہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر اس کی ادائیگی میں کچھ فرق محسوس کرتے

تھے ۔ تو اشکبار ہو جاتے تھے ۔ امام زہری کہتے ہیں ۔ کہ دمشق میں میں حضرت

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ
کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی کوئی چیز
نہیں پاتا۔ سوائے اس نماز کے اور وہ بھی اب ضائع کی جارہی ہے۔ (کہ تاخیر
سے پڑھی جاتی ہے۔) (صحیح بخاری باب تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا)۔ نبی علیہ
السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز کے ساتھ جو شغف تھا۔ وہ
محتاج بیان نہیں اور حق تو یہ ہے۔ کہ نماز ہی اسلامی زندگی کا وہ منبع ہے۔
جس سے حیات اسلامی کا ہر دھارا پھوٹ کر نکلتا ہے۔ حیات اسلامی کا دریا
اسی کوزے میں بند اور اسلامی زندگی کا ثمر اسی ذرہ میں پنہاں ہے۔ توحید
کے درخت کا پہلا ثمر یہی نماز ہے۔ اور اسلامی زندگی کا ہر گوشہ اسی کے پرتو
سے روشن اور اسی کے نور سے منور ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ
اللہ حجۃ اللہ لکھتے ہیں۔ (اعلم ان الصلوٰۃ اعظم العبادات شانا و اوضحھا
برھانا واشھرھا فی الناس وانفعھا فی النفس ولذالک اعتنی الشارع ببیان فضلھا
وتعیین اوقاتھا وشروطھا وارکانھا وآدابھا ورخصھا ونوافلھا اعتناء عظیما لم یفعل
فی سائر انواع الطاعات وجعلھا من اعظم شعائر الدین۔ (حجۃ اللہ البالغۃ من ابواب
الصلوٰۃ)۔ جاننا چاہیئے۔ کہ نماز تمام عبادتوں سے بڑھ کر عظیم الشان ثبوت کے

لحاظ سے سب سے زیادہ یقینی اور سب سے زیادہ مشہور رکن ہے اور نفس انسانی کی اصلاح میں سب عبادتوں سے زیادہ نافع اور موثر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کی فضیلت بیان کرنے اس کے اوقات کے تعین اور اسکے شروط و ارکان اور اداب ۔ رخصتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے ۔ اس قدر کہ تمام عبادات میں سے کسی کے لئے بھی اتنا اہتمام نہیں کیا ۔ اور دین کا اسے ایک عظیم الشان شعار قرار دیا ہے ۔

اسرار شریعت کے ایک دوسرے رازداں حجت نماز کے متعلق کی پردہ کشائی ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔ "جاننا چاہیئے کہ اسلام کے ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے ۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے ۔ وہ ایسا جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے ۔ اور تمام اعمال قرب سے برتر ہوگئی ہے ۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی ۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی ۔ اسی واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ (الصلوۃ معراج المومنین) سب سے زیادہ اس قرب جو بندے

کو رب سے ہوتا ہے ۔ وہ نماز میں ہوتا ہے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے کامل تابعداروں کو اس جہاں میں اس دولت کا کافی حصہ نماز میں حاصل
ہے ۔ اگرچہ رویت میسر نہیں ۔ کیونکہ یہ جہاں اس کی طاقت نہیں رکھتا ۔ اگر
نماز کا حکم نہ ہوتا ۔ چہرہ مقصود سے نقاب کون کھولتا ۔ اور طالب سے مطلوب
کی طرف کون رہنمائی کرتا ۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے ۔ اور نماز ہی
بیماریوں کیلئے راحت بخش ہے ۔ ارحنی یا بلال اسی ماجرا کی رمز ہے ۔ اور قرۃ
عینی فی الصلوۃ میں اسی مطلب کیطرف اشارہ ہے ۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم
و معارف اور مقامات و انوار اور تلوینات و تمکینات اور تجلیات متکیفہ اور غیر
متکیفہ اور ظہورات متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا
میسر ہوں ۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں ۔ ان
کا منشا ظلال و امثال بلکہ وہم و خیال ہے ۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے ۔ نماز کی ادائیگی کے وقت
گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے ۔ اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے ۔
اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے ۔ حصہ وصل کر لیتا ہے
۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اس سے فائدہ پالیتا ہے ۔ کیونکہ عالم دنیا

کمالات علی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو تعقل سے باہر ہے۔ وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہو گا۔ اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سبب (کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہونچکر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے) اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئی۔ اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی۔ (مکتوب ہوم ربانی مجدد الف ثانی سرہندی مکتوب ص ۲۷۱)

بیشک وہ نماز جس میں قلب مومن ما سواللہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ کے ساتھ مشغول ہو چکا ہو معیت خداوندی کی وجہ سے وہ لامکانی اور دوسرے عالم کی چیز ہے۔ اور حقیقت میں مومن کی معراج ہے۔ اقبال نے جاوید نامہ میں روح زمان و مکان کی زبانی کہا ہے۔

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست   آں جوانمردے طلسم من شکست

گر تو خواہی من نباشم درمیاں   لی مع اللہ باز خواں از عین جاں!

یہ نماز ہی ہے۔ جو ایک ناتواں وضعیف انسان کو ملاءِ اعلیٰ کے انتہائی منازل طے کرا دیتی ہے۔ اور اس عالم میں جمال الٰہی کے پرتوے قلب مسلم پر

انوارات و تجلیات کی بارش کرتی ہے

در بدن هندی اگر سوز حیات   هست معراج مسلمان در نماز

نماز کے یہی کمالات ہیں جن کی وجہ سے امام ربانی شیخ احمد سرہندی نے فرمایا ہے۔(اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا۔ تو گویا اسلام کی اصل عظیم حاصل ہو گئی۔ اور خلاصی کے واسطے جبل متین ہاتھ آ گئی۔)(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۶۰ بنام مولانا عبدالحی صاحب)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ (اقول الصلوۃ من اعظم شعائر الاسلام و علامۃ الحق بہا تفرقت ینبغی ان یحکم بفقدہ لقوۃ الملابسۃ بینھا و بینھا الصلوۃ ہی الحقیقۃ لمعنی اسلام الوجہ للہ و من لم یکن لہ حظ منھا فانہ لم یلج من الاسلام الا بمالا یعابہ)(حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول فضل الصلوۃ) میں کہتا ہوں کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے۔ اور اسلام کی ان علامات میں سے ہے جس کے جاتے رہنے کے سبب اگر فقدان اسلام کا حکم کر دیا جاوے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بڑا گہرا اور قوی تعلق ہے نیز اسلئے کہ سر نیاز خم کر دینا جو اسلام کے معنی ہیں۔ انھیں نمازہی پورے طور پر ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے کچھ حصہ نہ ملا۔ تو اسلام سے سوا اس چیز کے جس کی

پہلے نہیں کیجاتی وہ کچھ حاصل نہ کر سکا (یعنی اسے اسلام کا کچھ فائدہ نہ ہوا) یہی وجہ ہے کہ جب نماز کی ظاہری صورت بھی دنیا سے اٹھالی جائے گی تو گویا دین کی بنیادوں میں سے آخری چیز بھی اس دنیا سے اٹھ جائے گی۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ (اول ما تفقدون من دینکم الخشوع و آخر ما تفقدون الصلوۃ۔ روح المعانی تفسیر سورہ مومنون بحوالہ حاکم و احمد) تم اپنے دین سے پہلے جو چیز ضائع کرو گے وہ خشوع ہے اور سب سے آخر میں نماز کی ظاہری صورت کو کھو دو گے۔ نماز نہ صرف فی نفسہ ایک اہم فریضہ ہے۔ بلکہ مسلمان کی پوری زندگی کو پاک کرنے والا اور فلاح و کامرانی کے مقام تک پہنچانے والا ایک عمل بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ (ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ العنکبوت ۴۵) بے شک نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بری بات سے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خشعون۔ المومنون ۱) یقیناً ان ایمان والوں نے فلاح پالی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کو جو نماز خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور خشوع ایک ایسی صفت ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور جس کا

حصہ نماز سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے بارے میں سوال کیا گیا۔
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (الخشوع فی القلب وان تلین کنفک للمرء المسلم وا
تلتفت فی صلاتک۔ خشوع کا مقام قلب ہے۔ اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے۔
کہ (تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے) تمہارا پہلو ہر مسلمان
کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں
ادہر ادہر نہ دیکھو۔) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں۔
وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو
ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے
ہیں۔ ہیبت و جلال الہیٰ احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہیٰ
عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و
عاجزی اس کے اعضاء جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ ماسوا اسکی تمام
زندگی حکم الہیٰ کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی
رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہیٰ سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء
العلوم میں رقم فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

ثمرہ نماز سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (الخشوع فی القلب وان تلین کنفک للمرءا لمسلم وا
تلتفت فی صلاتک۔ خشوع کا مقام قلب ہے۔ اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے۔
کہ (تھوڑے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے) تمہارا پہلو ہر مسلمان
کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں
ادھر ادھر نہ دیکھو) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں۔
وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو
ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے
ہیں۔ ہیبت و جلال الہی احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہی
عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و
عاجزی اس کے اعضاء و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام
زندگی حکم الہی کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی
رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہی سے محفوظ رکھتا ہے امام غزالی رحمہ اللہ احیاء
العلوم میں یہ کلام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

غیر نماز میں خشوع کیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تنہائی اور جائے حاجت میں
فروتنی کرتا ہے۔ کیوں کہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ
بندے کے حال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ کی عظمت اور اپنی تقصیر کو پہچاننا
ہے۔ انھیں تین معرفتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے۔

خشوع کی یہ کیفیت جس پر طاری ہو گئی۔ ظاہر ہے۔ کہ اس کی زندگی تمام
تر عرفان الٰہی میں ڈوب کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ میں
تبدیل ہو جانے گی۔ کہ ہر وقت الٰہی عظمت اور اپنی پر قصور زندگی کی
خلش اسے اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کرے گی۔ کہ نجات
کا ذریعہ بیماروں کی شفا اور گنہگاروں کا سہارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بتایا
ہوا خلقی طریقہ زندگی ہے۔ جو نماز ہی سے بتدریج حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

(لما کانت فائدۃ الصلوۃ وھی الغوص فی لجۃ الشھود ولا تلاک فی سلک الملائکۃ
لا تتحصل الا بمداومۃ علیھا و ملازمۃ بھا ولاکثار منھا حتی تطرح منھم اشغالھم ولا یمکن
ان یومروا بما یفضی الی ترک اذ ارتفاقات الضروریۃ ولا تسلخ عن احکام الطبیعۃ
بالکلیۃ اوجبت الحکمۃ الالھیۃ ان یومروا بالمحافظۃ علیھا والتعھد لھا بعد کل برھۃ من

الزمان يكون انتظارهم للصلوة و تهيؤهم لها قبل ان يفعلوها و يبقى لونها و صباغها
و نورها بعد ان يفعلوها في حكم الصلوة و يكون اوقات الغفلة محفوفة بجنبي بطرفي
ذكر الله و تعلق خاطر بطاعة الله فيكون مثل النفس كمثل حصان مربوط باخية يجول
شوطا او شوطين ثم يرجع الى اخيته و يكون ظلمة الخطايا بالغفلة لا تدخل في جذر
القلوب و هذا هو الدوام المتيسر عند ما امتنع الدوام الحقيقي - حجة الله البالغة جلد
اول اوقات الصلوة)

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی اور ملائکہ کے ساتھ مجالست
پیدا کر لینا بغیر نماز کی مداومت اس کے التزام اور اسکی کثرت کے حاصل
نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس (مداومت التزام و کثرت نماز) کے بغیر اکثر جمیع
لوگوں کے اس سے ہٹ سکتا ہے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم
دیا جائے کہ ان کو تدابیر ضروریہ کا ترک کرنا اور احکام طبیعیہ سے بالکل خارج
ہو جانا چاہیے۔ اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ ان کو وقت کے
تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا
جائے۔ یا کہ نماز سے پیشتر اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز
پڑھ لینے کے بعد اسکے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلہ نمازی کے

ہو جانے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے۔ اور اسکی طاعت میں دل معلق رہے۔ پس مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سا رہتا ہے۔ جو اپنے تھان پر بندھا رہتا ہے۔ وہ ایک دو دفعہ دوڑ لگاتا ہے اور اپنے تھان کی طرف واپس ہو جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔ اور حقیقی مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں بھی دوام میسر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کی یہی حالت تھی۔ ان کے اعضاء و جوارح دنیاوی مشاغل میں ہوتے تھے۔ لیکن ان کے دل ذکر الٰہی سے زندہ اور ان کے قلوب مساجد میں معلق ہوتے تھے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ (صحابہ) خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے۔ لیکن جب خدا کا کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو یہ شغل ان کو یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اسکو پوری طرح ادا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری باب التجارت فی البر مرسلاً) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ بازار میں تھے۔ نماز کی تکبیر ہوئی۔ دیکھا کہ صحابہ نے دکانیں فوراً بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۲۵۲ ج ۴ بحوالہ عبدالرزاق) قرآن حکیم نے خود گواہی دی ہے۔ (رجال لا تلہیہم تجارۃ

ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ ۔(النور) وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کی مشغولیت غافل نہیں کر سکتی۔

نماز کے بعد اس کے اثرات کے متعلق امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ کہ "تیمی ابن وہب جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور ان کے چہرے سے رنج و غم کے آثار ظاہر ہوتے ۔(اور ابراہیم نخعی بعد نماز کے ایک گھنٹہ ٹھہرے رہتے تھے۔ گویا کہ بیمار ہے ۔ یہ صورت ان نمازگزاروں کی ہوتی ہے ۔ جو خشوع کرتے ہیں ۔ اور نماز کی نگہداشت بہتر خوبصورت کرتے ہیں ۔ اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور و طاقت ہوتی ہے ۔ اسکے مطابق اللہ تعالیٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں ۔ غور کیجئے کہ ایک شخص جب نماز سے پہلے ہی نماز کے اہتمام و انتظار میں رہتا ہے ۔ اور نماز کے بعد بھی نماز کے روحانی اور نورانی اثرات اس پر چھائے رہتے ہیں ۔ تو گویا اس کا تمام وقت نماز ہی میں گزرتا ہے ۔ اسکی خرید و فروخت اس کا کاروبار اس کے دنیوی مشاغل اسکی زندگی کی ہر حرکت نماز ہی میں شمار ہوتی ہے ۔ یقیناً ایسا شخص جو ہر وقت بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونے کے خیال میں لگا رہتا ہے ۔ کبھی رب العزت کے

احکامات کے خلاف ورزی طبعاً نہیں کر سکتا۔ کہ ادا کردہ نماز کی کیفیات ہنوز باقی ہیں۔ اور دوسری نماز کے وقت پر ادا کرنے کا خیال دل میں چٹکیاں لے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں پیہم حاضری کا خیال اور مالک الملک کی بارگاہ بے نیاز میں پر قصور بندے کی بار بار طلبی رفتہ رفتہ اسے گناہوں سے قطعاً گریزاں کر دیتی ہے۔ اور اس کے ذہن میں عبادت الٰہی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ کہ اس کی زندگی سراپا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی میں ڈھل جاتی ہے۔ اس کا دل ہر وقت جذبہ عبادت سے معمور اور اس کے اعضاء وجوارح اوامر الٰہیہ کی پابندی میں مشغول رہتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ "قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا۔ جن میں ایک شخص کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ (رجل قلبہ معلق فی المسجد۔ بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش ص ۱۰۰۵ ج ۲) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹک رہا ہو (یعنی ہر وقت نماز کے خیال و فکر میں رہتا ہو) الغرض نماز کی باقاعدہ ادائیگی اور دربار الٰہی کی حاضری کی پیہم فکر منافی خیالات و اعمال کو یکسر باطل کر کے رکھ دیتی

نسبتہ۔ شاید اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (راس الامر الاسلام وعمودہ الصلوٰۃ۔ جامع ترمذی جلد ۲ باب ماجاء فی حرمۃ الصلوٰۃ ص ۹۴ دینی زندگی کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے۔) اور عارف سرہندی نے اسی قول کا یہی مطلب بتایا ہے۔ "اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو گویا اسلام کا اصل عظیم حاصل ہو گیا۔ اور خلاصی کے لئے حبل متین ہاتھ آ گئی"۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰۲)

قیامت میں بھی نماز ہی انسانی اعمال کا معیار و میزان ہو گی۔ اگر وہ صحیح ٹھہری تو نجات یقینی ہے۔ ورنہ خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ امام ترمذی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ من عملہ صلاتہ فان صلحت فقد افلح و نجح وان فسدت فقد خاب و خسر فان انتقص من فریضتہ شیأ قال الرب تبارک و تعالی انظروا ھل لعبدی من تطوع فیکمل بھا ما انتقص من الفریضۃ ثم یکون سائر عملہ علی ذالک۔ جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۱ باب ماجاء ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ الصلوٰۃ۔ ابو ہریرۃ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ قیامت میں بندے کا سب سے پیشتر

نماز کا حساب ہوگا۔ اگر نماز صحیح ٹھہری تو فلاح و نجات پا جائے گا۔ اور اگر نماز خراب نکلی تو تباہ اور خسارہ پانے والوں میں ہو جائے گا۔ اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میرے بندے کی نفل نمازوں کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری کر دو پھر اس کے باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائے گا۔) پھر یہ نماز جس طرح آخرت میں فلاح و کامیابی کا وسیلہ ہے۔ اور جس طرح یہ ہماری انفرادی زندگیوں کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح جسم ملت میں اجتماعیت کی روح پھونکنے اور امت اسلامیہ کے متفرق موتیوں کو ایک لڑی میں منسلک کرنے کا نسخہ بھی یہی نماز ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت کی جو اہمیت ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے۔ (قال من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غداً مسلماً فلیحافظ علی ہؤلاء الصلوات حیث ینادی بہن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الہدی وانہن من سنن الہدی ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ہذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم وما من رجل یتطہر فیحسن الطہور ثم یعمد الی مسجد من ہذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوہا حسنۃ و یرفعہ بہا درجۃ و یحط عنہ بہا

سیئۃ و لقد رایتنا وما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یؤتی بہ
یھادی بین الرجلین حتیٰ یقام فی الصف۔ صحیح مسلم باب فضل صلوۃ الجماعۃ
حیث ینادی بھن ص ۱۲۵ ج ۱) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ جس کی خواہش
ہو کہ کل (قیامت کے روز) وہ اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے۔
اسے چاہئے کہ ان نمازوں کو پابندی سے وہاں مسجد میں جماعت سے ادا
کرے جہاں سے ان نمازوں کیلئے ندا (یعنی اذان دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
تمہارے نبی علیہ السلام کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کیے ہیں۔ اور یہ
نمازیں ان ہدایت کے طریقوں ہی میں سے ہیں۔ اور اگر تم اس جماعت سے
پیچھے رہ جانے والے کی طرح جو گھر میں نماز پڑھتا ہے۔ گھروں میں نمازیں
پڑھو گے تو اپنے نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر تم اپنے نبی
علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے۔ تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ جو شخص بھی اچھی
طرح وضو کر کے ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اللہ اسکے
ہر قدم کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھتا ہے۔ ایک درجہ بڑھاتا ہے اور ایک گناہ
معاف کرتا ہے۔ اور ہم (صحابہ) دیکھتے تھے۔ کہ نماز جماعت سے صرف غیر حاضر
ایسے ہی اشخاص ہوتے تھے۔ جن کا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا۔ اور یہ حالت

بھی ہم نے دیکھی تھی۔ کہ ایک شخص (بیماری کی وجہ) سے دو آدمیوں کے
درمیان میں گھسٹتا ہوا لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صف کے درمیان میں کھڑا کر
دیا جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے۔ (عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فقد ناسا فی بعض الصلوات فقال لقد ھممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم
اخالف الی رجال یتخلفون عنھا فامر بھم فیحرقوا علیھم بحزم الحطب بیوتھم ولو علم
احدھم انہ یجد عظما سمینا لشھدھا یعنی صلوۃ العشاء (صحیح مسلم باب فضل الصلوۃ
بخاری باب وجوب صلوۃ الجماعۃ باختلاف یسیر) حضرت ابوہریرۃ سے روایت
ہے کہ نبی علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ
میرے جی میں آتا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم
کروں پھر خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو جماعت کے نماز سے پیچھے رہتے
ہیں۔ (یعنی نماز میں نہیں آتے) پھر حکم کروں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے
ان کے گھر جلا دیے جاویں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے
چکنی و چرب ہڈی (جیسی حقیر) چیز بھی ملتی تو (دنیاوی فائدے کی لالچ کی
وجہ سے) ضرور عشاء کی جماعت میں آجاتے۔ امام احمد نے اسی قسم کا مضمون

ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔ (قال لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت
صلوۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار۔ مشکوۃ ص ۹۶ باب الجماعۃ و
فضلہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ان (لوگوں کے) گھروں
میں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں یہاں
عشاء کی نماز شروع کراتا۔ اور اپنے چند نوجوانوں کو حکم دیتا کہ ان گھروں
میں جو کچھ ہے۔ اسے آگ سے جلا دو۔ جماعت کی تاکید اور اہمیت کے بارہ
میں چند روایتیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ
جس نے اذان سنی اور پھر بغیر عذر کے اس کی اجابت (یعنی جماعت کے ساتھ
نماز ادا) نہ کی۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ
مشکوۃ باب الجماعۃ و فضلہا۔ محمود دار قطنی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
۔ کہ آدمی کے کانوں میں رانگ پگھلا کر بھر دیا جاوے تو اس سے بہتر ہے۔
کہ اذان سنے اور نماز کو نہ آوے۔ (احیاء العلوم غزالی) ابن ماجہ اسامہ ابن زید سے
روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (لینتہین رجال
عن ترک الجماعۃ او لاحرقن بیوتہم۔ ابن ماجہ باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ)
لوگ ترک جماعت سے باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ

گھروں کا۔ امام ترمذی نے ابن عباس کا ایک فتوی نقل کیا ہے۔ جس سے
اندازہ ہوتا ہے۔ کہ قرن اول میں ترک جماعت کو کتنا بڑا گناہ اور سنگین
جرم سمجھا جاتا تھا۔

(قال مجاہد وسئل ابن عباس عن رجل یصوم النہار و یقوم اللیل و یشہد جمعة
ولا جماعة قال ہو فی النار۔ سنن ترمذی باب ماجاء فیمن سمع النداء فلا یجیب)
مجاہد کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عباس سے ایسے شخص کی نسبت پوچھا گیا جو
دن کو روزہ رکھتا ہو رات قیام کرتا ہو اور جمعہ اور جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو۔
آپ نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔ یعنی جہنم میں جائیگا۔ ایک حدیث میں
ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی بستی میں یا صحرا میں
اگر تین آدمی بھی ہوں اور وہ جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان کا
تسلط ہے۔ یہ حدیث مشہور صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من ثلثة
فی قریة ولابدو لا تقام فیہم الصلوٰة الا قد استحوذ علیہم الشیطان فعلیکم بالجماعة
فانما یاکل الذئب القاصیة قال السائب یعنی بالجماعة فی الصلوٰة۔ سنن نسائی باب
التشدید فی ترک الصلوٰة مشکوٰة ص ۹۶) ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ اگر کسی قریہ یا صحرا میں
تین آدمی ہوں اور وہاں جماعت سے نماز قائم نہ کی جائے تو ان پر شیطان غلبہ
پائے گا۔ پس جماعت کی پابندی کرو کہ بھیڑیا (گلہ سے) پرے اکیلی (

بکری کو کہا جاتا ہے۔ صاحب روحی کہتے ہیں۔ " کہ جماعت سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے "۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے نماز کا ثواب بھی بدرجہا بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ صحاح کی یہ مشہور حدیث ہے۔ (قال صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ۔ بخاری باب فضل الجماعۃ، مسلم باب فضل الجماعۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ کی نماز اکیلی نماز پڑھنے سے ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ " جماعت کی نماز اکیلی نماز سے پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے "

حضرات محدثین نے پچیس اور ستائیس کے اس فرق کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ یہ فرق اخلاص اور باطنی کیفیات کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت ہی کے بارہ میں چند حدیثیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے۔ (قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعظم الناس اجرا فی الصلوۃ ابعدھم فابعدھم ممشی والذی ینتظر الصلوۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام۔ (صحیح بخاری باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃ ورواہ مسلم نحوہ ص ۲۳۵ ج ۱) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر پانے

والا وہ شخص ہے ۔ جو مسجد سے سب سے زیادہ دور رہتا ہے ۔ (کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھائے گا ۔ اتنا اجر زیادہ ہو گا) اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ جماعت سے پڑھ لے وہ اس شخص سے بہت زیادہ ثواب پانے والا ہے جو اکیلا پڑھ کر سو جاتا ہے ۔ صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے ۔ کہ (قال لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ لاستھموا علیہ ولو یعلمون ما فی التہجیر لاستبقوا الیہ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما ولو حبوا ۔ بخاری جلد اول باب فضل التہجیر) نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔ کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے اجر و ثواب کا علم ہو جاتا تو ان کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی (کہ ہر شخص خود یہ فضیلت لینا چاہتا) اور اگر لوگوں کو دوپہر میں جلدی آنے کا اجر معلوم ہوتا تو ضرور اس کی طرف (جلدی) بڑھتے ۔ اور اگر صبح اور عشاء (کی جماعت) کی نماز کا اجر معلوم ہوتا تو گھسیٹتے ہوئے (مساجد) میں پہنچتے ۔

عبدالرحمن ابن ابی عمرہ کہتے ہیں ۔ کہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور اکیلے بیٹھ گئے ۔ عبدالرحمن کہتے ہیں ۔ کہ میں بھی ان کے ساتھ جا بیٹھا ۔ مجھے فرمانے لگے ۔ کہ اے بھتیجے

امیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ جس نے عشاء کی نماز
جماعت سے پڑھی گویا اس نے نصف شب قیام (عبادت الٰہی میں) گزار دی
۔اور جس نے صبح (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا وہ تمام رات نماز میں
مصروف رہا۔ (مراد یہ ہے کہ اسے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ صحیح
مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ) ۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے
روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب تک تم میں سے
کوئی نماز کے انتظار میں اس حالت بیٹھا رہتا ہے۔ کہ اس کے اہل کی طرف
جانے سے سوا نماز کے دوسری چیز مانع نہیں ہوتی (یعنی خالص نماز کے انتظار
میں ہوتا ہے) اس کا یہ تمام انتظار کا وقت نمازہی میں محسوب ہوگا۔ (صحیح
مسلم ص ۲۳۵ ج ۱) جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے
پرے (کچھ دور) تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بیچ کر مسجد کے قریب
سکونت اختیار کرلیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا۔ اور
کہا کہ مسجد (کی طرف نماز کی نیت سے آنے پر) ہر ہر قدم پہ تمہیں درجہ ملتا
ہے۔ (صحیح مسلم باب فضل المکتوبہ) بریدہ اسلمی سے روایت ہے۔ (عن
بریدۃ الاسلمی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بشر المشائین فی الظلم الی المساجد

بالنور التام یوم القیامۃ - جامع ترمذی باب جاء فی فضل العشاء والفجر فی جماعۃ
وقال الترمذی ھذا حدیث غریب) بریدۃ اسلمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں - کہ رات کے اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے
والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی بشارت دے دو - ابن ماجہ نے
حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا :- (من صلی فی مسجد جماعۃ اربعین لیلۃ لا تفوتہ الرکعۃ الاولی من
صلوۃ العشاء کتب اللہ لہ عتقا من النار - ابن ماجہ صلوۃ العشاء والفجر فی جماعۃ) جس
نے چالیس رات مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی کہ عشاء کی پہلی رکعت
اس سے فوت نہ ہوئی - اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی دے گا - احیاء
العلوم میں امام غزالی نے نقل کیا ہے - کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں :- (من
صلی اربعین یوما الصلوات فی جماعۃ لا تفوتہ فیھا تکبیرۃ الاحرام کتب اللہ لہ براء
تین براءۃ من النفاق وبراءۃ من النار) جو شخص چالیس روز جماعت کے ساتھ
اس طرح نماز پڑھے کہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو - اللہ تعالیٰ اس کے لیے
دو آزادیاں لکھ دیتا ہے - ایک نفاق سے اور دوسرے دوزخ کی آگ سے -
جماعت کی بڑی فضیلت تھی - جس کی وجہ سے نبی علیہ السلام دور دور تین

آدمیوں کو بھی جماعت ہی سے نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ مالک ابن الحویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں اور میرا ایک دوسرا ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جب ہم آپ کے پاس سے واپس جانے لگے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (اذا حضرت الصلوٰۃ فاذنا ثم اقیما ولیؤمکما اکبر کما۔ صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ۔ بخاری نے اس حدیث کے آخری الفاظ روایت کیئے ہیں ۔۹۰ ج ۱) جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دو پھر دونوں نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے۔ سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا ثلاثۃ ان یتقدمنا احدنا۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی الرجل یصلی مع الرجلین) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی بھی ہوں تو ایک آگے بڑھے (یعنی نماز باجماعت ادا کی جائے) ابو سعید کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تین آدمی ہوں تو ایک ان میں سے (نماز میں) امامت کرے اور امامت کا ان میں سے زیادہ مقدار قرآن کا زیادہ جاننے والا ہے (او کما قال) (سنن نسائی الجماعۃ اذا کانوا ثلاثۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کو جماعت کا اس قدر پابند بنا دیا تھا۔ کہ

جماعت کے بغیر انہیں چین ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ بخاری نے تعلیقاً روایت
کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے
جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے وہاں اذان واقامت کہہ کر جماعت کے ساتھ
نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری باب وجوب صلوۃ ...) امام بخاری نے حضرت اسود
ابن یزید (مشہور تابعی) کے متعلق نقل کیا ہے۔ کہ جب ان سے ایک مسجد
میں جماعت فوت ہو جاتی تو دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (کہ
جماعت مل جائے) صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱) امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل
کیا ہے۔ کہ میمون ابن مہران مسجد میں آئے کسی نے ان سے کہا کہ لوگ
تو نماز پڑھ کر چلے گئے۔ کہا اس جماعت کی فضیلت مجھ کو عراق کی حکومت
کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ سعید ابن مسیب فرماتے ہیں۔ کہ بیس برس کے
عرصہ کی میرا یہ حال ہے۔ کہ جب موذن نے اذان دی تو میں مسجد میں ہوتا
ہوں۔ (احیاء العلوم) امام مالک نے ابو بکر ابن سلیمان سے روایت کیا ہے۔ کہ
ایک دن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو
صبح کی نماز میں نہیں پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح بازار جایا کرتے تھے اور
سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کی درمیان تھا۔ آپ کا گزر سلیمان کی والدہ شفاء

پڑھا ۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا وجہ ہے ۔ کہ آج سلیمان صبح کی نماز میں حاضر نہیں تھے ۔ سلیمان رضی اللہ عنہ کی والدہ شفا (نامی) نے جواب دیا کہ تمام رات وہ بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے ہیں اور صبح کے وقت نیند کے غلبہ سے ان کی آنکھ لگی ہے ۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھوں تو مجھے یہ تمام رات کے قیام ہی زیادہ عزیز ہے ۔ (مشکوٰۃ باب الجماعت وفضلہا) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود جس قدر جماعت کی پابندی کرتے تھے ۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے ۔ کہ مرض وفات میں بھی جب تک ممکن تھا ۔ آپ علیہ السلام نے جماعت ترک نہیں کی ۔ اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتے ہیں ۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے ۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھانے نکلے ۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا ۔ تو دو آدمیوں کے سہارے اسی وقت مسجد تشریف لا کر شریک جماعت ہوئے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصل الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں : ۔ فخرج یہادی بین رجلین کانی انظر الی رجلیہ تخطان الارض من الوجع ۔ نبی علیہ السلام دو

آدمیوں کے درمیان ان پر سہارا کرتے ہوئے نکلے۔ گویا کہ میں آپ علیہ
السلام کے پاؤں مبارک کو دیکھ رہی ہوں کہ زمین پر درد کی شدت سے کھسٹے
چلے جا رہے ہیں۔ اور اٹھ نہیں سکتے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا
چاہا۔ نبی علیہ السلام نے انھیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کو کہا۔ وہ ان کے
پہلو میں آ کر بیٹھ گیے۔ اور نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری باب حد المریض ان یشھد
الجماعۃ) آپ علیہ السلام کی ارشادات و عمل نے صحابہ کو جماعت و مساجد کا شیدا
کر دیا تھا۔ اور جماعت کی پابندی اور مساجد میں اس باہمی میل جول نے
انھیں اخوت کے حقیقی رشتوں میں جوڑ کر آہنی دیوار کی طرح مضبوط کر دیا تھا
۔ اور محبت و الفت کا وہ جذبہ دلوں میں پیدا کر دیا تھا۔ کہ ملت اسلامیہ کی حیثیت
باہمی ہمدردی میں جسد واحد کی ہو گئی تھی کہ اگر ایک مسلمان بھائی کا سر
دکھتا تھا۔ تو دوسرا بے قرار ہو جاتا تھا۔ ایک کو تکلیف پہنچتی تھی۔ تو دوسرا
بے تاب ہو جاتا تھا۔ اجتماعیت کے واقف جانتے ہیں۔ کہ قوم و ملت کا
قالب ہمیشہ اس روح سے قائم رہتا ہے۔ جو اسکی جماعتی زندگی کا خمیر ہو۔ وہ اس
جذبہ یا تعلق سے مربوط رکھتی ہے جو جذبہ مختلف الحیان اشخاص کو ایک رشتہ
میں منسلک کرتا ہے۔ یہی تعلق و جذبہ ہوتا ہے جو اقوام و ملل کی رگ زیست

کا حکم رکھتا ہے۔ جب مختلف الخیال اشخاص یا افراد پر عبادت و کیفیات کی ایک ہی روح طاری ہو جاتی ہے تو اس جذبہ قومی کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہی جذبہ قومی ہے۔ جس سے قوموں کی زندگی وابستہ ہے۔ اور امت مرحومہ میں اس جذبہ کی پرورش و ترقی کا ایک خاص ذریعہ نماز با جماعت بھی ہے۔ جو ایک طرف باہمی ربط و ضبط' الفت و محبت پیدا کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ اہی رابطہ پیدا کرتی ہے۔ جو ملت اسلامیہ کے شیرازے کی زریں طلک اور آہنی کڑی ہے۔ اور یہی تعلق و رابطہ تمام ملت اسلامیہ کو ایک اہی رنگ میں رنگ کر امت مسلمہ کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ کہ ان کا مرنا جینا سب اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ روزانہ ایک امام کے پیچھے پانچ وقت نماز ہم میں اطاعت امیر' ضبط و نظم' ہمدردی و مواسات' باہمی محبت و الفت کا جذبہ پیدا کر کے ہماری رگوں میں اجتماعیت کا وہ خون دوڑاتی ہے۔ جو قوموں کے لئے حیات تازہ کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ہمارے دن اچھے تھے۔ تو ہماری قومی زندگی کا ہر چشمہ ہماری مساجد ہی سے پھوٹتا تھا۔ قرن اول میں "الصلوۃ جامعۃ" کی منادی کے بعد ہر مشکل و اہم قومی مسئلہ کی گرہ کشائی' ذکر و علم کے حلقے' جیوش کی روانگی' مقدمات کا فیصل' ملی مشورے سب مسجد ہی میں ہوتے تھے۔

غرض ہماری پوری اجتماعی زندگی مسجد ہی کے محور کے گرد گھومتی تھی۔
اسلام میں مسجد کی جو اہمیت ہے۔ وہ صرف اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہماری
اجتماعی اور مدنی زندگی کی تعمیر بھی مسجد ہی کی بنیادوں پہ کی گئی چنانچہ
ہجرت مدینہ (جو کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی کا نقطہ آغاز ہے) کے بعد
معمار امت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو عظیم الشان کام سرانجام
دیا۔ وہ مسجد کی تعمیر ہی تھی۔ تعمیر کے وقت سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم
مزدوروں کے لباس میں خود پتھر اٹھا رہے تھے اور زبان کلمات جاری تھے۔
اللھم انہ لا خیر الا خیر الاخرۃ۔ فانصر الانصار والمھاجرۃ۔ بخاری ص ۵۵۹ ج ۱ باب
مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینۃ) اے اللہ بھلائی تو حقیقتاً خیر
آخرت ہے۔ تو انصار و مہاجرین کی مدد کر کہ وہ خیر آخرت کے طالب ہیں۔
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رجز کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں
کر رہا ہے۔ کہ خیر آخرت جو اسلامی حیات طیبہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ مسجد ہی
کے دامن میں برگ و بار پیدا کرتی ہے۔ اور ملت حنفی کے موسس اول
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کعبہ (دنیا کی سب سے پہلی مسجد) کی
دیواریں اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی۔ جس کا ذکر قرآن مجید

نے ان الفاظ میں کیا ہے ۔ (واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ، ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۔ اور جب اٹھا رہے تھے ۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے ۔ کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے ۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں ۔ اے ہمارے پروردگا ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے ۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے ۔ جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے ۔ اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے ۔ اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے ۔ تو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا میں بھی اس طرف اشارہ تھا ۔ کہ امت مسلمہ کی زندگی مسجد سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہے ۔ نماز و مسجد کا اسلامی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر میں جو حصہ ہے اس کو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے ۔ فرماتے ہیں " ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے ۔

کہ نماز اسلام کا اولین شعار اور اسکے مذہبی و اجتماعی ، و تمدنی و سیاسی ، و اخلاق
مقاصد کی آئینہ دار ہے ۔ اسی کی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا
۔ اور اسی کی گرہ کھل جانے سے انکی نظم و جماعت کی ہر گرہ کھل گئی ہے
۔ مسجد مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز اور نماز اس مرکزی اجتماع کی
ضروری رسم تھی ۔ جس طرح آج ہر جلسہ کا افتتاح اسکے نصب العین کے
اظہار و تعین کے لئے صدارتی خطبات سے ہوتا ہے ۔ اسی طرح مسلمان جب
زندہ تھے ۔ ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا ۔ ان کی ہر چیز اسکے
تابع اور اسی کے زیر نظر ہوتی تھی ۔ ان کی نماز کا گھر ہی ان کا دارالامارۃ تھا ۔
وہی دارالشوریٰ تھا ۔ وہی بیت المال تھا ۔ وہ ہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا ۔ وہ درسگاہ
اور وہی معبد تھا ۔ جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد افراد کے باہمی ربط و ارتباط پر
ہے ۔ اور جماعت کے زندہ کے لئے افراد کا اپنے ہر آرام و عیش اور فائدہ کو
قربان کر دینا ، اور اختلاف باہمی کو ترک کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر
جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا ہی کے دل کی تیزی شرط ہے ۔ اسی
کی خاطر کسی ایک کو امام و قائد و سر لشکر مان کر اس کی اطاعت و
فرمانبرداری کا عہد کر لینا ضروری ہے ۔ اسلام کی نماز انہی رموز و اسرار کا گنجینہ

ہے ۔ یہ مسلمانوں کو نظم و جماعت، اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدت و
قوت کا سبق دن میں پانچ بار سکھاتی ہے ۔ اسی لیے اس کے بغیر مسلمان نہیں،
اور نہ اسکی کوئی اجتماعی وحدت ہے ۔ نہ انکی امامت ہے نہ زندگی ہے ۔ اور نہ
زندگی کا نصب العین ہے ۔ اسی بناء پر داعی اسلام علیہ السلام نے یہ فرمادیا (
العہد الذی بیننا و بینہم الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر ۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن
ماجہ) ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے ۔ وہ نماز ہے ۔ تو جس نے اسکو
چھوڑا اس نے کفر کا کام کیا۔ کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالب بے
جان، شراب بے نشہ اور گل بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے ۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی
جماعت کا ایک ایک شعار اور ایک ایک امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو
جاتی ہے ۔ اسی لیے نماز اسلام کا اولین شعار ہے ۔ اور اسی کی زندگی سے اسلام
کی زندگی ہے (سیرت النبی طبع دوم جلد پنجم ص ۱۹) سطور بالا پر ایک نظر غائر
ڈالنے سے ملت اسلامیہ کی بقاو ترقی، تنزل و اضمحلال میں اقامت صلوٰۃ اور
اضاعت نماز کی جو تاثیر ہے ۔ وہ صاف ظاہر ہو جاتی ہے ۔ اور نص قرآنی اس
پر شاہد عدل ہے ۔ کہ نمازوں کی بربادی اقوام و ملل کی بربادی کا بڑا سبب ہے
۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔ (فخلف من بعدہم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات

علم و ذکر

یہ عالم محسوس کی تمام کائنات ظاہری نظروں میں ہمارے احساسات کا ثمر ہے۔ جو کچھ ہمارے حواس ہمیں معلوم ہوتا ہے اسی کو ہم اپنا علم تصور کرتے ہیں۔ گویا ہماری دنیاوی زندگی کا سارا سلسلہ بلکہ تمام تخیل ہمارے حواس کی عطا کردہ معلومات پر استوار کیا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے اعمال و افعال کی منطقی تحلیل کریں تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا ہر عمل نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس ذہنی اندازے و تصور کا جو مستقبل کے متعلق ہماری عقل کرتی ہے۔ اور ہماری عقل کی دسترس انہیں اسباب و نتائج پر بنا کردہ اندازوں تک ہے جو ہمارے حواس کی نظروں میں آفرینش آدم سے ردو پذیر ہوتے چلے آئے ہیں۔ گویا اس حیات فانی کا تمام مشغلہ و تخمین کی یہی خیالی تصویریں اور ان کے لوازمات ہیں جنہیں ہم اپنے حواس سے بنا ہوئے جال سے پہچانتے اور اسی علم کی بنا پر تمام عالم مادی تعلقات کا آئینہ گاہ بن رہا ہے۔ اس دنیاوی زندگی کی تمام کشتیاں اسی علم کے بھروسے پر چل رہی ہیں

عشق ناپید و خرد مے گزدش صورت مار — عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

لیکن اس حیات تحت الثریٰ کے سوا ایک اور زندگی بھی ہے جو ہماری شب تاریک کے لئے نور، ہماری ساری بے چینیوں کا علاج اور انسانیت کے زخموں کا مرہم ہے۔ وہ حیات گو اس عالم سے پرے اور موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن یہ زندگی اس کا عکس اور اس یقین کا نتیجہ کو سارا راحت و چین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس زندگی کا علم ہمیں مخبر صادق، اعلم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے دیا ہے۔ اور جس طرح ہماری موجودہ زندگی حواس کی واقفیت پر مبنی ہے جو انسانی قوت کے ذریعے پہنچی ہے۔ اور جس کے تواتر اور ہمہ گیر ہونے کی وجہ سے ہم نے اس وہم کو حقیقت سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ وثوق کے ساتھ آنے والی زندگی کے حقائق ہمیں اس ذات والا صفات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ملے ہیں جن کی سچائی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی صداقت کی وجہ سے اس کے دشمن بھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگا سکے

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ — (سو یہ لوگ (کفار و مشرکین) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(سورۃ انعام ۳۳)

آپ نے ہمیں ایک آنے والے عالم کی خبر دی کہ اللہ کا وہ فرستادہ دنیا و آخرت کے اس سنگم پر تھا جہاں دنیا و عقبیٰ اپنے تمام اسرار کو منکشف کیے ہوئے اس کے سامنے تھی جس کی تمثیل اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے پہاڑ کے وعظ میں پیش کی کہ جس طرح کوہ صفا کی دوسری طرف کی پشتوں کے حالات اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ اسی طرح اس فانی عالم اور باقی رہنے والی دنیا کے حالات اس کی نبوی نگاہوں کے سامنے پیش تھے۔ چنانچہ

کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ہوتا ہے ۔ اسی طرح اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمہارے دنیاوی عمل کا نقشہ
تمہاری آنے والی زندگی پر ثبت ہو رہا ہے اور تمہارے ہر فعل کا اثر دوسرے ایک آنے والے عالم پر پڑ رہا ہے ۔
جہاں تمہیں تمہارے ہر کام کا ثواب و عذاب جزا و سزا مل جائیگی ۔ قرآن کریم نے ایک جگہ مختصر الفاظ میں
اس حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے ۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا	اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر
لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَن يَعْمَلْ	(موقف حساب سے) واپس ہوں گے
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَ	تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ
مَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر
شَرًّا يَرَهُ	نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس
(الزلزال ــــ [illegible])	کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر
	بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا ۔

خدائے عزوجل کے آخری فرستادہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے
اعمال کی ترغیب و ترہیب کے ضمن میں ان اعمال کے فضائل اور ان سے متعلق وعیدوں پر گفتگو
فرمائی ہے یہاں تک کہ ایک ایک دنیاوی عمل کی اخروی حقیقت کلیتاً اجاگر ہو گئی ہے ۔ اور اب ہر
شخص کتاب و سنت سے معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں کام کی اخروی جزا و سزا کیا ہو گی ۔ یا اس عمل کے
اس عمل کا آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا ۔ اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ
نے فرمایا ہے :-

"خدائے تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بڑی رحمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعہ
سے انبیاء علیہم السلام کو اعمال پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب کو بتلا دیا ، تاکہ
وہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں ۔ اور لوگوں کے قلوب اس ثواب و عذاب کو
سن کر بیم و رجا سے معمور ہو جائیں اور اپنے تمام مقصود و منزہ سے ہو کر ان

شرائع کی پابندی کریں جیسے اور باتوں امور میں خوف و امید کیا کرتے ہیں ۔
جن سے کوئی ضرر دور ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہو جاتا ہے ۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول باب اسرار الترغیب والترہیب)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کو اللہ کا حکم اس کی رضا کا ذریعہ اور ایمان کی تکمیل کا سبب سمجھتے ہوئے (ایماناً) اور اس پر موعود اجر و ثواب کے ملنے کا کامل یقین دھیان رکھتے ہوئے (احتساباً) کرنے کا حکم دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

من قام رمضان ایماناً و	جس نے رمضان کا قیام اللہ پر اور
احتساباً غفر له ما تقدم	اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے
من ذنبه	اور اجر و ثواب کے شوق میں کیا ، تو اس
(بخاری باب تطوع قیام رمضان من الایمان)	کے سب پچھلے گناہ معاف کر دے گا ۔

دوسری حدیث ہے ۔

من صام رمضان ایماناً و	جس نے رمضان کے روزے ایمان
احتساباً غفر له ما تقدم	تصدیق اور اجر و ثواب کی نیت سے
من ذنبه ۔	رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر
(بخاری کتاب صوم رمضان احتساباً من الایمان)	دے گا ۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

من اتبع جنازة مسلم ایماناً	جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایماناً
واحتساباً وکان معه حتی یصلی	واحتساباً گیا ۔ اور اس کے ساتھ اس
علیها ویفرغ من دفنها	پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کے دفن
فانه یرجع من الاجر بقیراطین	سے فارغ ہونے تک رہا وہ اپنے ساتھ ۔

زوج اربعة اشهر وعشرا	سوگ جائز نہیں، خاوند پر چار ماہ
(بخاری باب تلبس الحادة ثیاب العصب)	دس دن سوگ ہے

کہ جب ایمان باللہ کی حقیقتیں مسلمان کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہیں اور جب اعمال کے نتائج کا سامان یوم آخرت کے درمیان سے متشکل ہو کر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ تو اوامر الٰہی پر عمل پیرا ہوئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

اور علم کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اندرونی قلب پر فیضانِ الٰہی ہوتا ہے تو ایمان قلب میں راسخ ہو جاتا ہے اور نبوت کا ہر قول بغیر کسی ظاہری دلیل کے حقیقت بن کر نبوی زندگی کی راہیں بندۂ مومن پر کشادہ کر دیتا ہے اور رسوخ فی العلم سے مراد بھی قلب پر یقین کا اس طرح پیوست ہو جانا ہے کہ نبوت کا ہر قول ظاہر و باطن حقیقت معلوم ہونے لگے۔ گویا علم ایک نور ہے جو انسانی قلوب پر بارگاہ خداوندی سے ڈالا جاتا ہے۔ اور جس کی روشنی سے قرآن و سنت کی حقیقتیں منکشف ہو کر انسان کو اسی زندگی پر عمل پیرا کر دیتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی امانت سے مراد توحید کے علاوہ یہی علم و نور ہو۔ (واللہ اعلم)

ان الامانة نزلت فی جذر	امانت لوگوں کے قلوب کی جڑ میں
قلوب الرجال ثم علموا من	اتاری گئی۔ پھر انہوں نے قرآن
القرآن ثم علموا من السنة	کے علم کو جانا پھر سنت کو جانا۔

(بخاری باب اذا بقی فی حثالة من الناس)

(جلد دوم)

کہ قرآن و سنت کا علم محض پڑھنا پڑھانا نہیں۔ بلکہ ایک نور ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوت کے ذریعے عطا کیا گیا۔ اور جس کی اصل الٰہی فیضان ہے۔

جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔

لیس العلم بکثرة الروایة	کثرتِ روایات کا نام علم نہیں ہے بلکہ

يقرأ في المغرب بالطور فلما بلغ هذه الآية أم خلقوا من غير شيء أم هم الخالقون أم خلقوا السموات والأرض بل لا يوقنون أم عندهم خزائن ربك أم هم المصيطرون. كاد قلبي يطير

(بخاری صفحہ ۷۲۰ کتاب التفسیر)

مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھ رہے تھے۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے ۔ کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ یا خود اپنے خالق ہیں یا انہوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ یہ لوگ (اپنے جہل کے) توحید کا یقین نہیں لاتے۔ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں۔ یا یہ لوگ (اس محکمۂ نبوت کے) حاکم ہیں۔ تو میرا دل اڑنے لگا۔

گویا حضرت جبیر بن مطعمؓ پہلی آیات کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ ان کا دل خوف کی وجہ سے اڑنے لگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن اونٹ پر سوار کسی گلی میں سے گذر رہے تھے کہ کسی گھر سے اس آیت کے پڑھنے کی آواز آئی۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۔

بے شک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا

(سورۃ الطور ـ ۱)

اس آواز کا سننا تھا کہ ہوش اڑ گئے اور بیہوش ہو کر اونٹ سے گر پڑے اور مدت تک گرنے کی تکلیف سے بیمار رہے (مکتوبات امام ربانی سرہندیؒ مکتوب ...)

عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پیچھے آخری صف میں نماز پڑھ رہا تھا اور اس جگہ حضرت عمرؓ کی شدت گریہ کی آواز آرہی تھی۔ اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

اوامر الٰہی کی یہی عظمت تھی جس کی ہیبت سے صحابہؓ کے رنگ اُڑ جایا کرتے تھے۔ جیسے حیدر کرارؓ نماز کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا تھا۔ فرماتے تھے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کا تحمل آسمان، زمین اور پہاڑ نہ کر سکے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں گا۔ کیونکہ اوامر الٰہیہ کی امانت میں اہم ترین نماز ہے)

(اسوہ صحابہ صفحہ ۱۳۸ ج ۲ ۔ بحوالہ کتاب اللمع صفحہ ۱۴۲ ۔ نیز
کیمیائے سعادت و احیاء العلوم امام غزالیؒ)

علم الٰہی کا جو گنجینہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اوامر الٰہی کی صورت میں قرآن و حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اس کی یہی عظمت تھی جس نے انہیں سراپا عمل بنا دیا تھا وہ جانتے تھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ دنیاوی کامرانی اور اخروی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ صحبت نبوی کے اثر سے ان کا علم یقین کی اس منزل تک جا پہنچا تھا کہ غائب ان کے لئے حاضر اور مستقبل حال بن چکا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور علم سے جو حقائق کچھ منکشف فرمائے تھے ان پر ان کا یقین اس حد تک تھا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن مالکؓ سے پوچھا کیا حال ہے۔ بولے خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ بولے دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ گویا خدا کا عرش میرے سامنے نظر آتا ہے۔ گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے حقیقت کو پالیا۔ اب اس پر قائم رہو۔

(اسوہ صحابہؓ صفحہ ۲ جلد اول ۔ بحوالہ
اسد الغابہ تذکرہ حارث ابن مالک)

شاید علم کی یہی حقیقت تھی جس کے متعلق ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ الخ

(بخاری تیسیر باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بڑے گریہ و زاری کرنے والے شخص تھے خصوصاً جب کہ آپ تلاوت قرآن کرتے تو گریہ ضبط نہ کر سکتے۔

(فتح الباری بحوالہ بخاری)

علم الہٰی (قرآن و حدیث) کی یہی عظمت تھی جو قرون اولیٰ کے ایک ایک فرد پر چھائی ہوئی تھی۔ زبان رسالت سے جو حکم بیان کا جو بھی صادر ہوتا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حکم کو پوری عظمت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اس کے پابند ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب انہیں کسی موثق ذریعہ سے اس چیز کا علم ہو جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو کیا ہے۔ یا کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو بے چون و چرا فوراً اس پر عامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ تو براء ابن عازبؓ صحابی سے روایت ہے کہ حضورؐ نے پہلی عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف پڑھی۔ آپ کے ساتھ ایک شخص نماز پڑھ کر نکلے اور ان کا گذر ایک دوسری مسجد پر ہوا وہاں نماز ہو رہی تھی۔ انہیں ابھی تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع کی حالت میں تھے۔ جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔

أَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ — میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں

مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

قِبَلَ مَكَّةَ — مکہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔

اس مسجد کے نمازیوں کو جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا علم ہوا۔

فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ

(صحیح بخاری کتاب تفسیر ... ج ۲)

جس حالت میں تھے اسی حالت میں خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

اسی طرح جب حرمت شراب کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ	اے ایمان والو! شراب اور
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ	جوا اور بت اور پانسے گندے
رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ	کام ہیں۔ شیطان کے سو ان سے
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	بچتے رہو، شاید تمہارا بھلا ہو۔

(مائدہ — ۱۲)

تو بس صحابہ نے چھوڑ دیا۔ خدایا! ہم باز آگئے۔

(سیرت النبی حصہ ... بحوالہ ابوداؤد کتاب الاشربہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ ابن الجراحؓ و ابو طلحہؓ اور ابی ابن کعب کو کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی۔ یہ سن کر ابو طلحہؓ نے کہا۔ انس اٹھو۔ اور شراب گرا دو۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ پس میں نے شراب بہا دی۔

(صحیح بخاری باب نزول تحریم الخمر)

اندازہ کیجئے۔ کہ صحابہؓ پر اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کس قدر عظمت چھائی ہوئی تھی۔ کہ شراب کا منہ سے لگا ہوا ہے۔ مجلس جمی ہوئی ہے کہ ایک آدمی آتا کہہ دیتا ہے کہ شراب حرام ہو گئی۔ اسی وقت صراحی و جام توڑ دیئے جاتے ہیں۔ بادہ ناب کے خم زمین پر بہا دیئے جاتے ہیں اور اس مدینہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر طرف گلیوں میں شراب کے خم لڑھکے جا رہے تھے اور شراب پانی کی طرح زمین پر بہہ رہی تھی۔

(سیرت النبی ... مولانا شبلی)

اللہ اللہ! احکام الٰہی کی کس قدر عظمت تھی کہ حکم کے آتے ہی سر اطاعت خم ہو گئے۔

الایمان الیقین کلہ ۔ ایمان یقین کامل کا نام ہے ۔

(صحیح بخاری صفحہ . 8 ، 1)

کہ علم جب قلوب میں رسوخ پاتا ہے ۔ تو یقین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ۔ اور یہ علم و یقین جب قلب و ذہن میں خوب پختہ ہو جاتا ہے تو عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو علم کی غایت قصویٰ ہے ۔

یہ یقین ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے ہر کلمہ کو صحابہؓ نے ایک ہوئی حقیقت اور اٹل فیصلہ سمجھا ۔ اور حضور علیہ السلام کے ہر قول پر سر تسلیم خم کر دیا ۔ یہی یقین ہے جس سے ایمان کی تمام شاخیں پھوٹتی ہیں اور خوف و رجاء کی جو کیفیتیں صحابہؓ پر طاری ہوتی تھیں وہ اسی کا نتیجہ تھیں ۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا ۔ فرمانے لگے کہ کاش میں بھی تیری طرح پرندہ ہوتا ۔ کہ تو جہاں چاہتا ہے اڑتا پھرتا ہے درختوں پر بیٹھتا ہے پھل کھاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب نہیں ۔

(ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کہ کاش میں یہ تنکا ہوتا ۔ کبھی فرماتے کہ کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا (کہ میں حساب قیامت سے بچ جاتا) ۔

یقین کی یہی کیفیتیں صحابہؓ کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں ۔ انہیں یہ یقین کامل تھا کہ جو سزا و جزا کسی عمل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی ہے ۔ وہ مل کر رہے گی ۔ اسی جذبہ و یقین نے انہیں یہ قابل کر دیا تھا ۔ کہ اوامر پر عمل کریں اور منکرات سے بچیں اور اسی یقین کی وجہ سے ان کے اعمال پر ایمان و احتساب کی روح طاری ہوتی تھی ۔ کہ ان اعمال کا رضائے الٰہی کے نتیجے میں جزا و اجر و ثواب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا۔ اس حقیقت نے اعمالِ خیر پر انھیں حریص اور اعمالِ شر سے مجتنب کر دیا تھا۔ کیونکہ حقیقت ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ ہو تو وہ اس کی طرف اتنی توجہ نہیں کرے گا جتنا کہ اس کی قدر و قیمت کے معلوم ہونے کے بعد اس کا اس میں انہماک ہوگا۔

یہی ایمان و احتساب کی حقیقت ہے۔ جو تمام ترغیب و فضائل اور ترہیب کی احادیث پر چھائی ہوئی ہے۔ انسان کے اس دنیا میں اس قدر انہماک کا بڑا سبب بھی یہی ہے۔ کہ وہ اس ذلیل دنیا کی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے اسے قیمتی سمجھتا ہے۔ کہ اس پہ وقت عالم کی دولت جب ظاہری شوکت کی وجہ سے قلوب پر چھائی ہے۔ تو یہی دنیا مبلغ علم اور غایت رغبت بن جاتی ہے۔ لیکن جب اس کے مقابلے میں اخروی زندگی کی حقیقی قدر و قیمت والی چیزوں کی قیمت ایمان کی روشنی سے دلوں پر منکشف ہوتی ہے۔ تو یہ دنیا ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان اپنی پوری قوتوں کو ان وسیع اور قیمتی چیزوں کے حصول کے لئے خرچ کرنے لگتا ہے۔ جس کا ثمرہ ابدی کامیابی و فلاح ہے۔

امام بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ ۔

اللہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے
لئے کشادہ کر دیتا ہے۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور ایمان جب قلب میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت اور نشانی بھی ہے۔ فرمایا۔ ہاں! اس دھوکے کے گھر (دنیا) سے دل کی علیحدگی

اور دار الخلود کی طرف توجہ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔

(مشکوٰۃ شریف)

عقبیٰ کی باقی رہنے والی (دائمی) چیزوں کی کما حقہ قدر و منزلت اور دنیا کی فانی چیزوں کی بے قدری پیدا کرنا نبوی طریقۂ تعلیم و ہدایت کا ایک اہم جز ہے۔ کہ جب عقل میں کسی چیز کے فائدہ مند ہونے کا ذوق پیدا کر دے تو اس کے حصول کے لئے توجہ و تڑپ یقیناً زیادہ ہوگی۔ اور اس طرح ذہنی اور نفسیاتی طور پر عمل کی راہیں انسان پر آسان ہو جائیں گی کہ علم کا مقصد ہی عمل ہے۔ اور عمل کے بغیر علم ظلمت و جہل ہے۔ جس کی حقیقت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس کا فائدہ نہ ہو۔

اعوذ بک من علم لا ینفع

(ابن ماجہ صـ ۲۲)

سعدی بشوئے نقش دوئی را ز لوح دل

علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است

صحابہؓ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم اجمعین علم سے ہی کی جب دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔ جب تک کہ اس پر عمل پیرا نہ ہو جاتیں۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعبؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے۔

(رسالہ معارف صـ ج ۲ ۵ بحوالہ تفسیر قرطبی صـ ۲۱ جلد دوم)

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں

سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک کہ ان کے معنی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا تھا ۔

(معارف ایضاً بحوالہ تفسیر ابن جریر ص۲۹ جلد ۱)

غرض دین میں مطلوب وہی علم ہے جو ہم پر عمل کی راہیں کشادہ کر دیتا ہے کہ کسی چیز کے جاننے کا مطلب صرف جاننا ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی بلند مقصد کی جستجو کے لئے کسی چیز کو جانا جاتا ہے۔ اسی طرح علم کی حیثیت ایک نور یا چراغ کی ہے جس سے راستہ کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور راہ پرخطر کونسی ہے۔ عاقل وہی ہے جو اس نور کی روشنی میں صراط مستقیم پر چلنا شروع کر دے۔ جو سیدھی منزل مقصود تک پہنچتی ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں جو آسائش و آرام کے راستے کو چھوڑ کر جاننے کے بعد ایسی راہ ضلالت پر چلے جس کا انجام قعر ہلاکت ہے۔

(نعوذ باللہ منہ)

جب یہ معلوم ہو چکا کہ علم کا مقصود اصلی عمل ہے۔ اور عمل کے لئے لازم نہیں کہ کتابی تعلیم ہی دی جائے۔ بلکہ اگر زبانی تعلیم ہی عمل صالح کا دروازہ ہم پر کھول دے تو علم کا مقصد حاصل ہو گیا چنانچہ قرون اولیٰ میں کتابی تعلیم پر اتنا زور نہیں دیا جاتا تھا۔ جتنا علم کی حقیقت اور اس کی تاثیر و نتیجہ خیزی پر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ارشادات نبوی کا اکثر حصہ تحریر میں آ چکا تھا۔ تاہم متداول طریقہ زبانی تعلیم و تعلم کا تھا۔ کیونکہ جو باتیں انسان زبانی یاد کرتا ہے۔ وہ محفوظ عبارت سے قلب میں پیوست ہو جاتی ہیں اور عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ جب کہ کتب پر ان کا بھروسہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے اور بسا اوقات یہ کتابی نقوش پارینہ، عملی جمود کا سبب ہی بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ایسی امت کے لئے جس کے ہر فرد پر علم کا حصول فرض کر دیا گیا ہو۔ نوشت وخواند کی سہولتیں بہم

پہونچانی بھی ایک حد تک مشکل ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں بجائے کہ وہ کتابیں ہاتھ نہ لگے زبانی تعلیم و تعلم ہی بہتر ہے۔

معلم الناس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص صفت تعلیم بھی تھی۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔
(الجمعہ : ۲)

وہی ہے جس نے بھیجا ناخواندہ لوگوں
میں ان ہی کی قوم میں سے ایک عربی
سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ
کر سناتے ہیں۔ اور ان کو قلب و اخلاق میں
صاف کرتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور
دانشمندی کی باتیں ان کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ بات روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا فخر تھا اسی طرح آپ نے عرب کے "امیوں" کو بھی کتابی نوشت و خواند سے تعلیم نہیں دی۔ بلکہ زبانی تعلیم کا وہ طریقہ ہدایت رائج فرمایا جس نے تمام عالم کو علم کی روشنی سے منور کر دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جو کچھ آپ سے قولاً و عملاً سیکھتے تھے۔ اسے یاد کرتے تھے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال کر دوسروں کو بھی علمی روشنی پہنچاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ باہم مذاکرہ و تکرار سے علم پختہ ہوتا تھا۔ عمل پختہ ہوتا تھا۔ لہذا اس کی نورانیت پھیلتی جاتی تھی۔ اس دور میں کتابی دور کی حیثیت مددگار و معاون کی سی تھی۔ جب علم و عمل کی درسگاہوں میں برکت نبوت کا علم آتا تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ رسالت سے بُعد ہوتا گیا۔ کتابیں بڑھتی گئیں۔ زبانی تعلیم و تعلم، رشد و ہدایت اور تاثیر و تاثر کم ہوتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا وہ فیضان جو باطنی فراست قلب سے حاصل ہوتا تھا۔ اور اس کی وہ پہلی سی افادیت باقی نہ رہی۔

امام اوزاعی کا قول ہے۔

كان هذا العلم شيئا شريفا إذا كان من أفواه الرجال يتلاقونه ويتذاكرونه فلما صار إلى الكتب ذهب نوره وصار إلى غير أهله

(تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی بحوالہ جامع بیان العلم ص ۹۸ ج ۱)

حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے مل کر لیتے اور آپس میں مذاکرہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں میں درج ہو گئیں اس کا نور اور اس کی رونق جاتی رہی۔ اور ایسے لوگوں میں پہنچ گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

متقدمین کا علم کے لیے کاوش و جستجو اور ایک ایک حدیث کی تلاش میں مسافت طویل کا سفر اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں علم کے حصول کا کس قدر شوق تھا۔ اور جب ان جستجوؤں کے بعد انہیں علم کا کوئی حصہ ہاتھ آ جاتا تھا۔ تو اس کو عزیز جان بنا لیتے تھے۔ خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے اور دوسروں تک یہ دولت پہنچاتے تھے۔ لیکن جوں جوں کتابی علم عام ہوتا گیا، کیونکہ کتابیں تو بن گئے۔ لیکن جوہر علم کے متلاشی کم ہوتے گئے۔ کم طلب اور کم کوش طالبوں تک علم کتابی جا پہنچا۔ تو مغز و پوست پر ہی قناعت کر بیٹھے۔ رفتہ رفتہ کتابیں پڑھ لینا ہی علم شمار ہونے لگا۔ علم کی روح رخصت ہو گئی۔ علم کا مقصد بھلا دیا گیا۔ علم کا مغز الفاظ کی دلدلوں میں پنہاں ہو گیا۔ اور اس کے نتائج مفقود ہو گئے۔ ابتداء میں علم جن معنوں کا جامع تھا۔ ان کی حقیقت کتابوں کے صفحوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ علم جو سراسر خشیت پیدا کرتی تھی (جیسا کہ حدیث میں ہے انا اعلمکم باللہ واخشاکم للہ) اب اندرونی کیفیتوں کے فقدان کی وجہ سے حجاب بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ صوفیا کو کہنا پڑا۔

العلم حجاب الاکبر

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

وہی علم جس کا ایک ذرہ قلب انسانی کو پھونک دیا کرتا تھا۔ مدارس و مجالس کی گرم گفتاری کا ذریعہ بن کر رہ گیا۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

آج ہمیں ان تمام تلخ حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں میں علم کا صحیح کیفیت اور معانی کے ساتھ احیا کرنا ہے۔ جو قرون اولیٰ میں عمل کا ذریعہ بنی تھیں۔ کہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ بلکہ لفظ علم کی اسلامی حقیقت اپنے اندر علم و عمل دونوں کو سمائے ہوئے ہے اور دور اول میں عملی کیفیات اور کردار کی گہرائیوں پر بھی لفظ علم کا اطلاق کیا جاتا تھا۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ نے حضرت عبادہ ابن صامت رض کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے مشہور تابعی حضرت جبیر رض کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

ان شئت لاحدثنک باول	اگر تم چاہو تو میں بیان کر دوں کہ پہلا علم جو
علم یرفع من الناس الخشوع	لوگوں سے اٹھا لیا جائے گا خشوع ہوگا
یوشک ان تدخل مسجد الجامع	اور قریب ہے کہ تم مسجد جامع میں داخل
فلا ترى فيه رجلا خاشعا	ہو اور وہاں ایک شخص بھی خاشع نہ
(جامع ترمذی جلد دوم باب ما جاء فی ذهاب العلم)	پاؤ۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ خشوع پر علم کا اطلاق کرتے تھے حالانکہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق خشوع علم یعنی جاننا نہیں ہے۔ بلکہ ایک عملی کیفیت ہے جس کا مطلب بدن جھکانا۔ آواز پست ہونا۔ اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا ہے۔ (لسان العرب) اور سب جانتے ہیں کہ یہ عملی کیفیتیں ہیں

آج مسلمانوں کے دینی احیاء کے لئے اسی علم کی ضرورت ہے ۔ جو ہم میں علم
وعمل کی دوگونہ قوتوں کو زندہ کردے ۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہماری درس گاہیں نہ صرف
پڑھنے پڑھانے کا فریضہ ادا کریں ۔ بلکہ ہمارے علمی حلقے اس علمی سوز و گداز کا منبع ہوں ۔ جو
ہمارے قلوب پر الٰہی عظمت پیدا کر کے خشیت و محبت الٰہی کے دوگونہ جذبات پیدا کردے ۔
کہ عمل کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے جب علم کی عظمت دلوں پر منکشف ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ
دور اول میں علم کی یہی عظمت تھی ۔ جو دلوں کو عشق الٰہی اور اتباع پر مستحکم کر دیتی تھی ۔ اور
وہ عمل پر مجبور ہو جاتے تھے ۔ ترمذی نے حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہے کہ :۔

عرباض ابن ساریہ کہتے ہیں کہ ایک دن
صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک بلیغ نصیحت کی جس کی وجہ سے
لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے
اور قلوب لرز گئے ۔ ایک آدمی نے کہا یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت وداع
کرنے والے کی سی دردانگیز ہے ۔ آپ ہم سے
کیا عہد لینا چاہتے ہیں ۔ کہ ہم اس پر عمل
پیرا ہو جائیں ۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ
سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر
کی تابعداری کی اگرچہ وہ ایک حبشی غلام
کیوں نہ ہو ۔ تم میں سے میرے بعد
جو زندہ رہا تو وہ بہت اختلافات دیکھے

تو پس وقت بروزمرہ کی باتوں سے
بچنا کیونکہ یہ سب لغو باتیں ہیں
سے اختلافات کا زمانہ پایا اُسے لازم ہے
کہ میرے طریقہ پر قائم رہے۔ اور خلفائے
راشدین مہدیین کے طریقہ کی پابندی
کرے اور مضبوطی سے اس طریقہ ہدایت
کو تھامے رکھے۔

اس حدیث سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ صحابہ پر اللہ اور اس کے ارشادات
کا اس قدر اثر ہوتا تھا۔ کہ وہ رو پڑتے تھے۔ اور ان کے دل لرز جاتے تھے۔ اور وہ پکار اٹھتے
تھے۔ کہ ہمیں وصیت فرمائیے کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں۔ اگر آج علم کی دلی عظمت پیدا ہو کر
آئے تو آج بھی حال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ علم کی عظمت اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم
اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر کو اپنے قلوب میں بٹھائیں۔
کیونکہ علم کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے ہی سے عالم کی شادابی کا سبب
بنا ہے۔ اور جب تک علم کے سکھانے والے اور پہنچانے والے کی عظمت ہمارے قلوب میں نہیں
ہوگی۔ ان کے دیے ہوئے علم کی قدر بھی ہم نہیں کریں گے۔ کہ دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ
جس ہستی کو ہم جلیل القدر سمجھتے ہیں۔ اس کی بات کو بھی ہم اتنا ہی قابل توجہ اور قابل
قدر سمجھتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے اقوال کی قدر ہمارے دلوں میں اسی وجہ سے ہوتی ہے
کہ ان کی ہستیاں اپنی عظمت کے ساتھ ہمارے دلوں پر مستولی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اگر
ایک دیہی گنوار اور ایک یگانہ روزگار عالم کی زبان سے ہم ایک ہی بات سنیں تو عالم کی علمی
شخصیت کی وجہ سے (جس کی عظمت ہمارے ذہن پر چھائی ہوئی ہے) ہم اسی بات کو
(جو دیہی گنوار کی زبان سے بھی سنی گئی ہے) زیادہ قابل وقعت اور قابل اعتنا سمجھیں گے۔ کہ

ہماری عظمت شخصیتوں کے اثر نہ کی وجہ سے ان کے اقوال کی قدر کی جیتی پر مجبور ہے ۔ جو ہستی
ہمارے ذہنوں میں نمایاں و رفیع ہو گئی ۔ اس کی بات بھی اتنی ہی زیادہ رفیع ہو گئی ۔ اشخاص کی
جتنی عظمت و ہیبت ہوتی ہے ۔ جو ان کے اقوال میں جان ڈال کر دنیا کے بڑے بڑے انقلاب
کا باعث بنا ہے ۔ یہ سکندر و نپولین و تیمور و ہٹلر کی ذاتی عظمت ہی کا اثر ان کے پیروکاروں کے دل
پر تھا ۔ کہ ان کے ایک ایک لفظ پر لاکھوں جانیں قربان کر دی جاتی تھیں ۔ اور یہ اثر و نفوذ
صرف جہانبانوں اور کشور کشاؤں کے لئے مخصوص نہیں ۔ بلکہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین
کی شخصیتیں بھی جن کے اقوال اپنے اپنے علم و فن میں حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اسی
عظمت کی حامل ہوتی ہیں اور جب کسی قول کو ان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے ۔ تو
سامعین کے قلوب میں اس قول کی قدر بیٹھ جاتی ہے ۔ غرض کسی قول و امر کی قدر پیدا
کرنے کے لئے اور اس پر عمل پیرا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اس قول کے کہنے
والے اور امر کرنے والے کی عظمت قلوب میں بٹھائی جائے ۔ کہ جب آمر کی عظمت
و ہیبت قلوب پر چھا جائے گی ۔ تو اس کے امر پر فطرتاً عمل پیرا ہونا پڑے گا ۔ جیسے ایک
ہیبت شیر کو آتے دیکھ کر اپنی حفاظت کے لئے فوراً کوشش کرنا ایک فطرتی خاصہ ہے ۔
اسی طرح ایک حاکم و آمر جس کی ہیبت و عظمت رگ رگ میں چھا چکی ہو اس کے امر کی فوری تعمیل
بھی انسانی فطرت ہے ۔ اوامر اور ارشادات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عظمت قرون اولیٰ
کے مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھی ۔ جو انہیں اللہ کے ایک ایک امر پر جانیں قربان کرنے پر
مجبور کر رہی تھی ۔

آج علم اور مقصد علم (یعنی عمل) کے پیدا کرنے کے لئے ہمیں ضروری ہے کہ
ہم اللہ کی عظمت و ہیبت و جلال ۔ اس کی ہمہ گیری و ہمہ دانی ۔ ہیبت و علم اور
اس کے سمیع و بصیر ہونے کا دھیان اس کی محبت کے ساتھ اپنے دلوں میں بٹھائیں
اس کے دیئے ہوئے احکام پر موجود و مقصود کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے

رکھیں اور اس کی نافرمانی کے انجام بد کا تصور ہر وقت ہم پر چھایا رہے اور اسی صورت
میں ممکن ہے کہ ہم ذکر الٰہی اور مراقبۂ آخرت بکثرت کریں کہ اس کے ذکر کی کثرت سے
اس کی ذات و صفات کا اثر ہمارے قلوب میں اس کی محبت و خشیت پیدا کرے گا اور
اس کی معیت کے مقام بلند سے سرفراز کر کے ہمیں اس کے اوامر پر چلا دے گا۔ اور
اس کے رنگ میں رنگ دے گا۔ کہ جالب ہمنشین کا اثر یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن
و حدیث میں ذکر الٰہی کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت آئی ہے۔

چنانچہ مشہور حدیث قدسی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ
تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ
اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ
ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی
ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم
وان تقرب ۔۔ تقربت
الیہ ذراعاً وان تقرب الی ذراعاً
تقربت الیہ باعاً وان اتانی
یمشی ۔ ھرولۃ

رواہ احمد و بخاری و مسلم والترمذی
للنسائی وابن ماجۃ والبیہقی ۔ دیکھئے
مسلم جلد دوم باب الحث علی ذکر اللہ
تعالیٰ صفحہ [illegible] جلد ۲ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق
تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندے کے
ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے
ساتھ گمان رکھتا ہے جب وہ مجھے یاد
کرتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں
پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے
تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا
ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے
تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں
کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ
ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر
بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا
ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ
ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا

ہے۔ تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں

بخاری باب قول ویحذرکم اللہ نفسہ	اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں
صفحہ [illegible] جلد دوم	اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا انبئکم بخیر اعمالکم و	کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال
ازکاها عند ملیککم وارفعها	میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے
فی درجاتکم وخیر لکم من	نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے
اعطاء الذهب والورق ومن	درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور
ان تلقوا عدوکم فتضربوا	سونے چاندی کو راہ خدا میں
اعناقهم ویضربوا اعناقکم	خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد
قالوا وما ذاک یا رسول اللہ قال	میں تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل
ذکر اللہ۔	کریں۔ اس سے بھی بڑھ کر ہو۔ صحابہ
(ابن ماجہ باب فضل الذکر)	نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپ نے ارشاد
ورواہ الترمذی باختلاف یسیر۔ صفحہ [illegible]	فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

جلد دوم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا	کوئی قوم اللہ کے ذکر کرنے کے لئے نہیں
حفتهم الملائکة وغشیتهم	بیٹھتی مگر فرشتے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں
الرحمة ونزلت علیهم	اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینہ
السکینة وذکرهم اللہ	ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور اللہ اپنے پاس

فیمن عندہ۔ (صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر)

والوں یعنی فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر فرمایا کرتا ہے)

امام بخاری و مسلمؒ نے ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت۔ (مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل)

جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اور جو نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (ذکر کرنے والا زندہ ہے اور غافل مردہ)

امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من قعد مقعدا لم یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ ومن اضطجع مضجعا لا یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ (مشکوٰۃ ص [illegible])

جو شخص بیٹھا اور پوری نشست میں ایک دفعہ بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف حسرت و وبال ہوتا ہے۔ اور جو شخص لیٹا اور پورے وقت میں ایک بار بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حرمان و حسرت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

کوئی جماعت ایسی مجلس سے نہیں اٹھتی جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ مگر اس کی شان ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ گدھے کی مردار نعش سے اٹھی ہے اور ان کیلئے حسرت و افسوس ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص [illegible])

کر دنیا مجلس چھوڑ کر جب ہے شغل ہے حسرت و یاس کے سوا اس میں کیا رکھا ہے یقیناً خالق کی
یاد سے غافل مجلس دنیا کی اور گندگی میں ٹھکانہ ہے۔ دنیا سے یادِ الٰہی اور اس کے یاد کرنے والوں
کو علیحدہ کر دیا جائے تو وہ دنیا کے سوا رہ ہی کیا جاتا ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ شاید اسی
لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان	اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو کہ
کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ	ذکر کے بغیر زیادہ باتیں قلب کی قسوت
للقلب وان ابعد الناس من	(سختی) کا سبب ہیں۔ اور اللہ سے سب
اللہ القلب القاسی	سے زیادہ دور قلب قاسی ہے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۸ بحوالہ ترمذی بروایت ابن عمرؓ)

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے تمام کلام
(باتیں) سوا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ذکر الٰہی کے آلائشہ ہیں:-

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمدؒ اور ترمذی نے روایت کی ہے
کہ:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا
سئل ای العباد افضل درجۃ	کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک کن لوگوں کا
عند اللہ یوم القیامۃ قال الذاکرین	درجہ سب سے افضل ہوگا۔ آپ نے فرمایا
اللہ کثیرا قال قلت یا رسول	اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والوں کا۔ ابو سعید
اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ	خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے
قال لو ضرب بسیفہ فی الکفار	عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ کی راہ میں
والمشرکین حتی ینکسر و	جہاد کرنے والے غازی سے بھی بڑھ کر اس
یختضب دما لکان الذاکرین	کا درجہ ہوگا؟ آپ نے (جواباً) فرمایا۔ ہاں

اللہ کثیرا افضل منہ درجۃ
(ترمذی باب ماجاء فی فضل الذکر، مشکوٰۃ
بحوالہ احمد و ترمذی و ابن ماجہ، ترمذی نے
حدیث غریب)

بلکہ کفار و مشرکین کے ساتھ تلوار سے
اتنا لڑے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں
رنگ جائے۔ تب بھی اللہ کا بکثرت ذکر
کرنے والوں کے درجے اس سے
افضل ہوں گے۔

کہ جب جہاد و قتال کا مقصد بھی اعلاء کلمۃ الحق اور ذکر الٰہی ہے تو مقصد بہرصورت ذریعہ و سبب سے فائق ہے۔ ذکر الٰہی دلوں کو کھولتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا سے معلوم ہوتا ہے۔

اللھم افتح اقفال قلوبنا
بذکرک۔

یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے
اپنے ذکر سے

ذکر سے قلوب کا زنگ اتر جاتا ہے۔ گناہوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں اور دل انوار الٰہی کے قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

امام بیہقی دعوات کبیر میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انہ کان یقول لکل شیء صقالۃ
وصقالۃ القلوب ذکر اللہ وما من
شیء انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ
قالوا ولا الجہاد فی سبیل اللہ
قال ولا ان یضرب بسیفہ
حتی ینقطع۔
(مشکوٰۃ ۔ [illegible])

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔
کہ آپ فرماتے تھے۔ ہر چیز کو صیقل کرنے
اور چمکانے والی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو
صیقل کرنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ اور عذاب
الٰہی سے کوئی چیز ذکر الٰہی سے زیادہ نجات دینے
والی نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا جہاد فی سبیل
اللہ بھی اس سے زیادہ نہیں؟ آپ نے
فرمایا اگرچہ اتنی تلوار سے قتال کرے کہ تلوار

ٹوٹ جائے تمام تر اپنی زیادہ توجہات دینا

رہا ہے۔

ذکر ماسوا کے تعلقات قطع کر کے خالق سے بندے کا رشتہ جوڑ دیتا ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (المزمل - ۸)

اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔

ذکر الٰہی دلوں کا چین، قلوب کی راحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے:

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (الرعد - ۲۸)

جو شخص ان (اللہ) کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

ذکر کی یہ گوناگوں صفات اور کیمیائی اثرات تھے جنہوں نے صحابہؓ کی زندگی کو سراپا ذکر بنا دیا تھا۔ وہ چلتے پھرتے، بیٹھے اور لیٹے خیالِ محبوب میں مست اور اس کی یاد میں رطب اللسان تھے۔ ان کی خدم و حرم کی مجلسیں نامِ حق سے گونجتی رہتی تھیں۔ ان کے کاشانے، آرام گاہیں، مکان، دوکانیں، بازار و تفریح گاہیں یادِ حبیب سے معطر رہتی تھیں۔ ان کی خلوتیں اسی کے دھیان سے معمور اور ان کی جلوتیں اسی کے تذکروں سے آباد تھیں۔ ان کی راتیں جمالِ دوست سے روشن اور ان کے دن اس کی تجلیوں سے منور تھے۔ ان کے قلوب جلوۂ الٰہی سے معمور، ان کی نگاہیں کیفِ عشق سے مخمور تھیں۔ زبانیں تسبیح کناں، اعضاء و جوارح عظمتِ الٰہی سے پرخشوع اور سینے تجلی انوارِ الٰہی سے مستنیر تھے۔ ان کی تجارتیں انہیں ذکرِ حق سے غافل نہیں کرتی تھیں اور ان کے کاروبار

ان کی قلبی خلوتوں میں بار نہیں پاتے تھے :۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ — ایسے لوگ جن کو کاروبار اور خرید و فروخت کا شغل یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتا

(النور ۔ ۳۷)

ذکر دوام سے ان کے دل زندہ تھے۔ ان کی رفتار و حرکت اور ان کا آرام و سکون الٰہی نغموں سے پر شور تھا۔

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ ۔ — جو خدا کو اٹھتے۔ بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں۔

(آل عمران ۔ ۱۹۱)

آرام گاہوں کو چھوڑ کر جمال یار کی کیف انگیز خلوتوں کے طالب اپنی راتوں کو اس کے جلووں سے آباد کیا کرتے تھے۔

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔ — جن کے پہلو رات کو خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ خوف و امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں۔

(السجدہ ۔ ۱۶)

اللہ کے ذکر میں یہی کیفیت ہے۔ جو اللہ کے ماننے والوں کو ہر وقت اسی کے دھیان میں مگن رکھتی ہے۔ اور ذکر کی حقیقت یہی تو ہے۔ کہ بندہ کا خیال بندہ پر اس طرح طاری رہے کہ ہر وقت الٰہی معیت و حضور کا یقین اور اللہ عزوجل کے حاضر و ناظر ہونے کا ایمان اسے تمام معاصی سے مجتنب رکھ کر تمام اوامر الٰہیہ پر چلا کر رضائے مولا سے ہمکنار کرا دے کہ اللہ کا چاہنے والا اپنے محبوب کو سامنے دیکھتے ہوئے اس کے کہنے کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور اس کے حکم سے انحراف اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ جس کی نگاہیں

تماشائے جمال سے ہر وقت روشن ہوں ۔ وہ خلوت و جلوت میں معاصی کی ظلمت سے دور ہی رہے
گا اور رضائے حبیب کی طلب میں اس کی زندگی سراپا مدعائے دوست بن جائے گی ۔ اور
اس کی ہر حرکت اسی سے ہوگی ۔

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے ۔

وما تقرب الی عبدی بشیء	میرا بندہ جو چیزیں مجھے پسند ہیں ان میں
احب الیّ مما افترضت علیہ	فرضوں سے زیادہ کسی چیز کے ذریعہ میرا
وما یزال عبدی یتقرب الیّ	قرب حاصل نہیں کرتا اور میرا بندہ نوافل
بالنوافل حتی احببتہ فکنت	کے ذریعہ قرب کے لگاتار مراتب طے کرتا
سمعہ الذی یسمع بہ و	رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت
بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ	کرنے لگتا ہوں ۔ پس میں اس کے کان
التی یبطش بہا ورجلہ التی	بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اس کی
یمشی بہا ۔	آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے ۔
(صحیح بخاری باب التواضع ص ۹۶۳ ج ۲	اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا
مشکوٰۃ ص ۱۹۷ بحوالہ بخاری عن	ہے ۔ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں
ابی ہریرہ)	جن سے وہ چلتا ہے ۔

اس کی تمام زندگی الٰہی رنگ میں نکھر کر سیرت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع ہو جاتی
ہے کیونکہ سیرت طیبہ ہی رضائے الٰہی کا انتہائی مکمل نمونہ ہے اور ذات پاک ہی کائنات میں اللہ
بنایا ہوا اسوۂ کامل ہے ۔

دین او آئین او تفسیر کل	در جبین او خط تقدیر کل
عقل را او صاحب اسرار کرد	عشق را او تیغ جوہر دار کرد
کاروان شوق را او منزل است	ما ہمہ یک مشت خاکیم او دل است

ذکر الٰہی اپنی ان حقیقتوں اور کیفیتوں کو لئے ہوئے جب علم الٰہی کی روشنی میں قلب مومن
پر اثر ہوتا ہے۔ تو قلب کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وہ متاثر ہو کر طاعت الٰہی کی طرف متوجہ
ہو جاتا ہے اور اس کی تبدیلی انسان پر عمل کا دروازہ کھول دیتی ہے کیونکہ دل وہی ہے
جس کی کائنات بدلنے سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور اعضاء و جوارح دل کی پیروی
میں احکام الٰہی پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ اس طرح علم و ذکر کے اس امتزاج سے اس زندگی
کی تشکیل ہوتی ہے جو الٰہی رحمتوں، نوری برکات اور انسانیت کے اوج کمال کو اپنے اندر
لئے ہوئے ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ دور رسالت کے بُعد کی وجہ سے اسلامی زندگی ٹوٹ
چکی ہے۔ علم و ذکر کا حقیقی حصول ہی اس زندگی کو عالم میں دوبارہ قائم کر سکتا ہے اس
کے ضروری ہے۔ کہ ہمارے علمی حلقوں پر ذکر کی کیفیت طاری ہو۔ دور رسالت میں
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر ہی عظمت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا
آج اس کا بدل اللہ کی عظمت، نیز اشرف الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و محبت کا احیاء
ہے کہ جب ہم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر اور محبت و الفت
پیدا ہو گی۔ تو ان کی شان اور ان کی باتوں اور اوامر کی قدر و محبت بھی ہمارے قلوب میں جاگزیں
ہو گی۔ کیونکہ کسی قول کا ترجیح ہونا صاحب قول کی وقعت پر ایک حد تک مبنی ہے اور جب
اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و امر کی قدر و محبت ہمارے دلوں
میں راسخ ہو جائے گی۔ تو فطرتاً ہم ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ کہ محبوب و مرغوب چیز
کے حصول کی جستجو و طلب فطرت انسانی ہے۔ اس طرح سے اس پاک و مطہر زندگی کا
عملی دروازہ ہم پر کھل جائے گا۔ جو کائنات کے لئے سایۂ رحمت
ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقعت و عظمت کو دل میں بٹھانے

جو سکھ رہے ہیں قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تعلم درس و تدریس کے لئے اپنے
کچھ اوقات کو فارغ کرنا چاہیئے ۔ اس تحصیل علم کے لئے عملی نمونہ جس قدر نمایاں
ہوگا ۔ اسی قدر عمل کی اپیل زیادہ مؤثر ہوگی ۔ کہ بعض عرفا کا قول ہے ۔

"قول سے قول پیدا ہوتا ہے اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے"

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ دور صحابہ رض میں صحابہ رض اکثر مسائل کا جواب عمل سے دیتے
تھے ۔ چنانچہ عمرو بن یحییٰ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رض
سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کیا گیا تو بجائے زبانی بتانے
کے عملاً اس طرح تعلیم دی کہ :۔

فدعا بتور من ماء فتوضأ لهم الخ پانی کا برتن منگوایا اور پھر ان کے سامنے
وضو کیا ۔

روایت میں ان الفاظ کے بعد آپ کے بتاتے ہوئے وضو کی تفصیل ہے ۔
(صحیح بخاری ص ۳۱ باب مسح الرأس مرة)

اسی طرح حضرت مالک ابن حویرث رض نے ایک دفعہ اپنے ملنے والوں سے کہا ۔

الا انبئکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وذاک فی غیر حین صلوٰۃ فقام ثم رکع الخ	کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بتلا دوں ۔ راوی کہتا ہے اس وقت نماز فرض کا وقت نہیں تھا پھر عملاً تعلیم دینے کے لئے نماز شروع کی اور قیام کیا پھر رکوع کیا الخ

اسی طرح پوری نماز پڑھ کر عملاً نماز کی تعلیم دی (زبانی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا)
(بخاری ص ۱۱۳ ج ۱ باب المکث بین السجدتین)

دوسری روایت میں حضرت مالک ابن حویرث رض نے صاف تصریح کر دی ۔ کہ ان کا مقصد

نماز کے پڑھنے سے عملاً تعلیم دیتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ وہ زبانی بھی وہ نماز کا نقشہ کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عن ابی قلابة قال جاءنا مالک بن الحویرث فصلی بنا فی مسجدنا هذا فقال انی لاصلی بکم وما ارید الصلوٰة لکن ارید ان اریکم کیف رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی (بخاری باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة)

ابی قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک ابن حویرث ہمارے پاس آئے۔ اور ہمیں اس مسجد میں نماز پڑھائی اور پھر کہا میں نے جو تمہیں نماز پڑھائی اس سے میرا ارادہ اس کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا کہ تمہیں یہ دکھادوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے:-

میرا مطلب ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہمارے مکاتب و مدارس میں عملاً تعلیم کا جو طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ دوبارہ زندہ ہو جائے۔ کہ آنکھوں دیکھی چیز سنی ہوئی سے زیادہ موثر ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

تعلیم کا نمونہ حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کو اعمال کی جزا اور فائدوں سے آگاہ کیا جائے کہ جس قدر اعمال صالحہ کے اخروی اور ان کے ضمن میں دنیوی فائدے اس پر منکشف ہوں گے۔ فطرتاً عمل پر پڑنے کے لئے اس کا ذوق و شوق بڑھے گا۔ کہ انسان خیر کا حریص ہوتا ہے۔ جس قدر اعمال کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ ان کے حصول کی کوشش اسی قدر بڑھے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ فضائل و ترغیب کی احادیث کا بکثرت مذاکرہ کیا جائے۔ کہ نفس ان اعمال کی لذت محسوس کرنے لگے۔ اور قلب میں ان کی محبت رچ جائے اور جب انسان

قلب و نفس کسی چیز کو چاہنے اور پسند کرنے لگتا ہے تو انسان اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح منکرات پر جو جو سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں ان کی تشدید و تنکیر بھی برائیوں سے روکنے کا ایک بڑا سبب بنے گی۔ اور تبشیر و تنذیر کے اس نبوی طریقہ تعلیم سے متعلم برائیوں سے مجتنب ہو کر نیکیوں پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ عمومی تعلیم دین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل میں طالب علم کو نہ الجھایا جائے۔ کہ اس طرح ان کی طبیعت عمل کی راہ سے ہٹ کر قیل و قال اور جدل و مناظرہ میں پھنس کر رہ جائے گی۔ جس کا ان کے کوئی دینی فائدہ نہیں۔ مزید برآں متفق علیہ اتنے مسائل ہیں اور بے قیل و قال عمل کے لئے اتنا میدان وسیع ہے۔ کہ ایک سلیم الطبع انسان اس پر گامزن ہو کر بآسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

عمومی تعلیم دین کے لئے ہمیں پھر سے مساجد میں قرن اول کی طرح علم و ذکر کے حلقے قائم کرنے ہیں۔ کہ مدارس و خانقاہیں عامۃ المسلمین کی دینی تعلیم و تربیت کی کفیل نہیں ہو سکتیں کہ اس مشغول زمانہ میں ہر کسی کے لئے مدارس و خانقاہوں کے لئے فراغت مشکل ہے اور نہ ہی اتنی کثیر آبادی کے لئے مدارس و خانقاہیں مہیا کی جا سکتی ہیں۔ دین کے ایسے مجاہدوں کے لئے جن کی ہمتیں اللہ نے بلند کر دی ہیں۔ مدارس اور خانقاہیں ضروری ہیں کہ حصول علم و تزکیہ کے لئے علوم و معارف دینیہ سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ ان اللہ والوں کی مثال اصحاب صفہ جیسی ہے۔ جن کی پوری زندگیاں علم و ذکر کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ لیکن عام مسلمان پوری زندگیاں اس پاکیزہ کام کے لئے عملاً وقف نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ دور اول کی طرح مساجد میں تعلیم و تعلم اور ذکر و ہدایت کے حلقے قائم کریں۔ ہمیشہ تحصیل علم و عمل کا اہتمام کریں۔ دین کی بنیادی باتیں سیکھیں اور سکھائیں۔ ضروری مسائل کا علم حاصل کریں۔ فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہوں۔ بعد

سنن و مستحبات پر چلنے کی کوشش کریں تاکہ دینی زندگی جو کہ صدیوں کے جمود کی وجہ سے ٹوٹ
چکی ہے۔ دوبارہ عالم کو اپنی تابندگی سے منور کرے ہماری مساجد پھر سے علم و ذکر کے
نور سے منور اور تزکیہ و ہدایت کی روشنی سے چمک اٹھیں۔ جس طرح مسجد نبوی کے طالب
علم عالم کے امام بنے تھے۔ اگر آج انہیں بنیادوں پر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھے
اس پر خود عمل پیرا ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دے تو سارا عالم پھر سے ایمانی کرنوں
سے جگمگا سکتا ہے۔ صحابہؓ کے زمانہ میں ہر چھوٹا بڑا، امیر و غریب، تاجر و کاشتکار، ملازم
و بیوپاری ہر شخص دین کا ضروری علم رکھتا تھا کہ جب تک علم نہ ہو عمل ناممکن ہے۔ اور جب
تک ہم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی زندگی کی واقفیت و علم نہیں رکھیں گے۔
ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال نہیں سکتے۔ اس لئے کتاب و سنت میں علم کی
اس قدر فضیلت آئی ہے، احتساب مقصود نہیں، تاہم تبرکاً ایک دو آیتیں اور چند حدیثیں
علم اور طالب علم کی فضیلت میں نقل کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ	بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ درجے تم میں سے ان لوگوں کے جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ علم دیئے گئے۔
(۲) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔	آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے (علم رکھنے والے) اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں، (مطلب یہ ہے کہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے)
(۳) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔	تحقیق اللہ تعالیٰ سے اس کا علم رکھنے والے بندے ہی ڈرتے ہیں۔

علم اور طالب العلم کے فضائل کی کثرت بیان فرماتے ہیں۔

امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

عن کثیر بن قیس قال کنت جالساً

مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق	کثیر بن قیس سے روایت ہے کہ میں
فجاء رجل فقال یا ابا الدرداء	حضرت ابی الدرداءؓ کے ساتھ دمشق کی
انی جئتک من مدینۃ الرسول	مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس
صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث	آیا اور کہنے لگا۔ اے ابو الدرداء میں
بلغنی انک تحدثہ عن رسول	مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما	میرے آنے کا مقصد صرف اس کے اور
جئت لحاجۃ قال فانی سمعت	کچھ نہیں کہ میں نے سنا ہے آپ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک
سلم یقول من سلک طریقاً	حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو
یطلب فیہ علماً سلک اللہ بہ طریقاً	درداءؓ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
من طرق الجنۃ وان الملائکۃ	علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے طلب
لتضع اجنحتہا رضاً لطالب العلم	علم کے لئے کسی راستے پر چلنا شروع کیا
وان العالم لیستغفر لہ من فی السموات	اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے اسے
ومن فی الارض والحیتان فی	جنت کے راستوں پر چلائے گا اور
جوف الماء وان فضل العالم	ملائکہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنے
علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر	خوشنودی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں
علی سائر الکواکب وان العلماء	عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام
ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء	مخلوقات اور سمندر کی مچھلیاں مغفرت

والارضين حتى النملة في جحرها	اور زمینوں کے بسنے والے حتیٰ کہ
وحتى الحوت ليصلون على معلم	چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں تک
الناس الخير .	لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے
(ترمذی باب ما جاء فی فضل الفقہ	لئے دعا کرتی ہیں ۔
علی العبادۃ)	

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں ۔

ومن سلك طريقا يلتمس فيه	جو شخص طلب علم کے لئے کسی رستہ پر
علما سهل الله له طريقا الى	چلے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے
الجنة وما اجتمع قوم في	میں جنت کا راستہ اس کے لئے آسان
بيت من بيوت الله يتلون	کر دے گا ۔ اور نہیں جمع ہوتی کوئی
كتاب الله ويتدارسونه	قوم (لوگ) اللہ کے گھروں میں سے کسی
بينهم الا نزلت عليهم	گھر (مسجد) میں کہ اللہ کی کتاب کی
السكينة وغشيتهم	تلاوت کرتے ہوں ۔ اور باہم اس کا
الرحمة وحفتهم الملائكة	مذاکرہ کرتے ہوں ۔ مگر نازل ہوتی ہے
وذكرهم الله فيمن عنده	ان پر سکینہ (طمانیت) اور ڈھانپ
ومن بطأ به عمله	لیتی ہے انہیں رحمت اور گھیر لیتے
لم يسرع به نسبه	ہیں انہیں فرشتے ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے
مشکوٰۃ ص۳۲ بحوالہ مسلم ابن ماجہ	پاس والوں کے سامنے ان کا ذکر کرتا ہے

اور جو اس کا عمل (تقرب الٰہی اور نجات) سے (اور جو علم بالعلم پر عمل نہ کرنے کے) پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکے گا ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

کہ آپ نے فرمایا:-

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں ان کا اجر اسے ملتا رہتا ہے (اگر اس نے حیات میں کئے ہوں) صدقہ جاریہ، دوم ایسا علم جس سے اس نے نفع اٹھایا ہو (یعنی کسی کو علم کی باتیں بتائی ہوں) یا خود اس پر عمل کیا ہو۔ سوم ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ٣٢ بحوالہ مسلم)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لن یشبع المؤمن من خیر یسمعه حتی یکون منتهاه الجنة.

مومن کو خیر کی بات سننے (یعنی طلب علم) سے سیری نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب صفحہ ٣٤)

ترمذی اور دارمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع

جو شخص علم کے لئے (اپنی جگہ سے) نکلا۔ وہ اللہ کی راہ میں (مجاہد کی طرح) ہے یہاں تک کہ واپس لوٹ آئے (یعنی اسے مجاہد کا ثواب ملتا رہے گا۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

حضرت سخبرۃ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :۔

من طلب العلم کان کفارۃ لما مضیٰ

جس نے علم حاصل کیا ۔ وہ اس کے ماسبق گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا ۔

رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص٣٤

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

لا حسد الا فی اثنتین رجل آتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل آتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بہا ویعلمہا ۔

صرف دو آدمیوں پر ہی رشک ہو سکتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا ہو ۔ اور وہ اس سے فیصلہ کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم ، بخاری کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :۔

جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے ۔ اس کی مثال بھرپور بارش کی سی ہے ۔ جو زمین پر ہوتی ہے ۔ اور زمین کے مختلف طبقے ہوتے ہیں ۔ بعض حصہ عمدہ ہوتا ہے ۔ اور جلد پانی کو جذب کر لیتا ہے ۔ اور گھاس اور ہریالی کثیر مقدار میں اس پر پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور زمین کا بعض حصہ پانی کو اپنے اندر ٹھہرا لیتا ہے اس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ۔ اس سے پانی پیتے اور پلاتے ہیں ۔ اور کھیتیاں پانی دیکر اگاتے ہیں اور زمین کا

بعض ٹکڑا بنجر چٹیل میدان ہوتا ہے نہ پانی کو ٹھہراتا ہے، اور نہ اس پر کچھ گھاس اگتی ہے۔ یہ پہلی مثال اس کی ہے جو دین میں سمجھ حاصل کرتا ہے، اور جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے خود علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور دوسری آخری مثال اس شخص کی ہے جو اس ہدایت کی طرف سر بھی اونچا نہیں کرتا۔ (یعنی التفات نہیں کرتا) اور جو ہدایت میں دے کر بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔

(صحیح بخاری باب فضل من علم و علّم)

قرآن و حدیث کے ان جواہر ریزوں سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم ہی اسلامی زندگی کے حقائق کو ہم پر آشکار کرکے ہمیں راہ ہدایت پہ گامزن کرتا ہے۔ اور ہم میں ایمان و ایقان کے جذبات پیدا کرکے ہمیں سراپا مسلم اور دینی ہدایت پر عامل بنا دیتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تحصیل علم کے فریضے سے غافل نہیں ہوتے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے۔

(بخاری صحیح)

وہ ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کا سفر برداشت کرتے تھے۔ مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے مدینہ سے شام کا سفر صرف ایک حدیث کے علم کے لئے اختیار کیا

(بخاری تعلیقاً باب الخروج فی طلب العلم)

آج اگر ہمارا یہ جذبہ سرد ہو چکا ہے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں محلوں اور گاؤں کی مساجد میں اپنی دنیاوی مشغولیتوں سے کچھ وقت نکالتے ہوئے دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کریں۔ اس کے لئے اپنے علماء کے مشورے سے ہم کتاب و سنت کا مختصر سا نصاب بنا سکتے ہیں جو نبوی طریقۂ تعلیم و ہدایت کے مطابق ہو۔ تنبیہ و تبشیر

ترغیب و فضائل، ترہیب و وعید کا جامع، الٰہی خوف و خشیت اور محبت و الفت پیدا کرنے
والا اور عمل پر ڈالنے والا ہو۔ تعلیم کا طریقہ الٰہی عظمت و محبت اور ذکر کی کیفیت کو لئے ہوئے
ہو۔ علم کی بجائے عمل صفاتیوں کو پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور قول سے
زیادہ عمل پر زور دیا جائے۔ ہر شخص خواندہ ہو۔ اور پڑھنے کی ہمت فرماتے
ہوں۔ ان کے لئے صدق نیت سے دوسروں سے سن کر ان پر عمل پیرا ہونا اور دوسروں
کو اس کی ثواب کی نیت سے دعوت دینا ہی کافی ہے۔ جو حضرات بہت لوگ علم کا معتدبہ
حصہ حاصل کرنا اور عالم بننا چاہتے ہیں ان کے لئے تو درس گاہوں ہی میں باقاعدہ
تحصیل کے سوا چارہ کار نہیں۔ لیکن عامۃ الناس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی
کافی ہوگا۔ کہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور اعزاز بیہ کی قدر و قیمت کا دھیان کرتے
ہوئے۔ دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے کہ علم میں اخلاص و
تعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ کہ علم میں اخلاص و تعلق مع اللہ سے نورانیت
آتی ہے۔ عمل اس علم کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یکسانہ و مخلصانہ دعوت علم میں رسوخ و
پختگی اور عمل پیدا کرتی اور عمل کی تحریک بنتی ہے۔

الغرض علم و یقین، عمل، دائمی دعوت کے نور ہی سے کائنات عالم کی
رونق ہے۔ اخلاص و عظمت الٰہی کے استحضار کے ساتھ جس قدر امت ان اعمال
میں مشغول رہے گی۔ رضائے الٰہی اور دائمی خوشی و کامرانی سے ہم کنار
رہے گی اور جس قدر ایمان و یقین، علم و عمل، عمومی دعوت اور
باہمی تذکیر و تواصی سے کنارہ کرتی جائے گی۔ نقصان و خسارہ
میں مبتلا ہو جائے گی۔ سورۃ العصر، اسی حقیقت کی قرآنی
شہادت اور اقوام و ملل کی اپنی سرگزشت ہے۔ جس پر پوری انسانی
تاریخ گواہ و شاہد ہے۔

امت محمدیہ مرحومہ کے مختلف طبقات وگروہ جسدِ ملت
کے اعضاء وجوارح کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی زندگی اوامرِ الٰہیہ
کے علم وعمل پر موقوف ہے۔ ملت کی شریانوں میں جب تک
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صالح خون دوڑتا رہے گا۔ اس کے
اعضاء وجوارح اسلام کے حیات آفریں پیغام سے زندگی اور توانائی
پاتے رہیں گے۔ اور جس قدر حیات وقوت کے ان الٰہی سرچشموں
سے مختلف طبقات کا تعلق کم ہوتا جائے گا۔ ملت پر اضمحلال
چھاتا جائے گا۔ ملت جملہ طبقات وافراد سے عبارت ہے۔ جن
میں سے کسی طبقے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے
امت مسلمہ میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے جملہ طبقات امت
کو نبوی تعلیمات سے آشنا کرنا ہے۔ عملی زندگی کی راہیں
کشادہ اور قرآن وسنت کی سلسبیل وکوثر سے ہر کہ ومہ کو حسب
استعداد سیراب کرنا ہے۔ ایمان ویقین علم وعمل، ذکر وخشیت، احسان و
اخلاص، اخوت وتعاون، معاملات اور حسن معاشرت کی عام فضائیں
قائم کرنی ہیں۔ اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ الٰہی اعتماد وتوکل،
ہمت وعزیمت سے کام لیتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جملہ طبقات
کو علم وعمل، ذکر ودعوت کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ جس سے پہلے
بھی امت پر بہار آئی تھی۔ اور ختم نبوت کی برکت سے آج بھی
آسکتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاودانی تعلیمات ہر زمان وہر
مکان، ملت وقوم کیلئے نجات وکامرانی، فوز وفلاح کا آخری الٰہی نوشتہ

ہے۔ جس سے امتِ محمدیہ کی زندگی قائم اور اس کا فروغ وابستہ ہے۔ امت آج ان قدسی سوتوں سے سیراب ہو کر اپنی زندگی سے سرشار ہو سکتی ہے۔ اور ہلاکت سے ہمکنار سسکتی انسانیت کو دائمی چین، امن و سکون، اور نبوی پاک و مطہر زندگی کا پیام دے کر عالم کی نجات دہندہ بن سکتی ہے۔

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشکافیم و طرحی نو دراندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اکرام مسلم

اسلام ایک ابر رحمت تھا جو ارض بطحا سے اٹھا اور جس جگہ برسا اپنی فیض گستریوں سے اسے جنت کا نمونہ بنا گیا۔ اس نے عالم کو ایک عالمگیر اخوت و برادری کا درس دیا۔..........

انسانی سماج، باہمی خلوص، مروت اور حسن سلوک کا سبق پڑھایا۔ اس نے زیردستوں کی دستگیری کی۔ بے کسوں اور بے چاروں کی چارہ گری کی۔ کمزوروں کو توانائی اور غلاموں کو آزادی بخشی اور دنیا کو ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی دعوت دی۔ جہاں رنگ و نسل، مذہب اور قوم و وطن کی خود ساختہ انسانی پابندیاں ٹوٹ کر رہ جائیں۔ جہاں دولت و ثروت، طاقت و جاہ کی باہمی منافرت و منافقت اور جغرافیائی بنا و کشمکش کا وجود نہ ہو اور تمام اولاد آدم ایک اخوت کے رشتے میں منسلک ہو کر باہم بھائی بھائی بن جائے۔ اور جہاں عزت و فضیلت کا معیار نسل و وطن اور دولت و ثروت کے بجائے نیکی اور پرہیزگاری ہو جائے۔ اسلام کے اس حیات بخش پیغام اور انقلاب

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل روایت جو اس موقع پر بعض مفسرین نے نقل کی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:-

قال الحمد للہ الذی اذھب	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وتکبرھا	اللہ کا شکر ہے جس نے تم سے جاہلیت
یا ایھا الناس ان الناس رجلان	کی نخوت اور تکبر دور کر دیا۔ آگاہ!
بر تقی کریم علی اللہ وفاجر	اب لوگ دو قسم کے ہوں گے یا نیک متقی
شقی ھین علی اللہ ثم	جو اللہ کے نزدیک معزز ہوگا یا بدکار
تلا یا ایھا الناس انا	شقی جو اللہ کے نزدیک ذلیل ہوگا
خلقنکم من ذکر وانثی	پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔
(معالم التنزیل ص [illegible])	یا ایھا الناس انا خلقنکم
(روح المعانی زیر آیت مذکورہ)	من ذکر وانثی (الخ)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلی تفوق، قومی تفاخر اور عصبی غرور کے تار و پود کو اس بلیغ انداز سے بکھیر کر رکھ دیا ہے:-

لا فضل لعربی علی عجمی ولا	نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور
لاحمر علی اسود کلکم ابناء	نہ گورے کو کالے پر۔ سب آدم کے
آدم وآدم من تراب	بچے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

غرض اسلام نے اس طرح امارت و غربت اور شرافت و رذالت کے سارے خود ساختہ پیمانے توڑ کر اپنے ماننے والوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور پھر انہیں ایمان کی بنیاد پر ایک عالمگیر بھائی چارہ قائم کرنے کا درس دیا

(انما المؤمنون اخوۃ۔ الحجرات) مسلمان تو سب آپس میں بھائی ہیں۔

یہ بھائی چارہ نسبی بھائی چارہ سے بڑھ کر ہے۔ کہ کافر و مسلم سگے بھائی ایک دوسرے کی میراث نہیں پا سکتے بلکہ ایک مسلمان جس کا نسبی بھائی کافر ہو اگر مر جائے تو اس کے وارث مسلمان ہوں گے۔ نسبی تعلق ایک مادی رشتہ ہے جو زائل ہے لیکن اسلام کا روحانی تعلق ایک لازوال حقیقت ہے۔

اسی لئے اسلامی اخوت کے ایک متوالے نے کہا ہے۔ ـــ

ابی الاسلام لا اب لی سواہ اذا افتخروا بقیس او تمیم

ترجمہ: میرا باپ اسلام ہے۔ اور اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ جب کہ لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں میں سے ہونے پر فخر کریں۔ یعنی میرے لیے کسی قبیلے سے ہونا فخر نہیں بلکہ مسلمان ہونا فخر ہے۔

پس جو شخص بھی اس رشتہ میں منسلک ہو گیا وہ پوری ملت اسلامیہ کا بھائی ہو گیا۔ اور وہ سارے حقوق اسے حاصل ہو گئے جو ایک بھائی کے دوسرے بھائیوں پر ہوتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: ـ

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ	سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کریں،
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ	نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے
فِي الدِّيْنِ ـ	لگیں، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

(التوبہ ـــ ۱۱)

اسلامی اخوت کے اس شجرِ طیبہ کی حفاظت اور نشو و نما کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہم اور جامع ہدایتیں دی ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
سلم قال ایاکم والظن فان	بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے
الظن اکذب الحدیث ولا	بڑا جھوٹ ہے ایک دوسرے کے

(بخاری باب ما ینہیٰ عن السباب واللعن و ابن ماجہ ص ۲۹۴) — اس سے لڑنا (مقاتلہ) کفر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں مومن پر لعنت بھیجنا اس کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ بخاری کی روایت ہے:۔

ومن لعن مومناً فھو کقتلہ ومن قذف مومناً بکفر فھو کقتلہ
مومن پر لعنت بھیجنا گویا اس کو قتل کرنا ہے۔ اور مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بھی (گویا) اس کا قتل کرنا ہے

(بخاری ص ۸۹۳ جلد دوم)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا:۔

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض
دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

(بخاری باب [illegible])

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

من حمل علینا السلاح فلیس منا ۔ (مسلم ص ۶۹ ج ۱)
جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(بخاری ص [illegible] جلد دوم)

اس بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اگر عین میدان جنگ میں کوئی کافر صرف کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل کرنا حرام ہے چنانچہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے حرقہ نامی قبیلہ کی طرف (جہاد کے لئے) بھیجا۔ ہم نے ان پر چھاپا مارا اور انہیں شکست دی (اسامہ کہتے ہیں کہ) اس دوران میں اور میرے ایک انصاری ساتھی اس قبیلہ کے ایک شخص کے قریب پہنچے۔ اور جب ہم نے اسے

(قتل کرنے کے لیے) گھیر لیا تو وہ لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھا اس پر میرے انصاری ساتھی
نے تو اسے چھوڑ دیا اور میں نے اسے اپنے نیزے سے وار کر کے قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس
پہنچے اور اس قصہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے اسامہؓ تم نے
اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ ...... اس نے جان
بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔
(اس جملہ کو افسوس اور رنج سے آپ بار بار دہراتے رہے) (اسامہؓ کہتے ہیں) میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس
دن سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا (یعنی یہ گناہ مجھ سے اسلام لانے سے پہلے صادر ہوتا تاکہ اسلام
لانے سے یہ دھل جاتا)۔

(بخاری کتاب الدیات جلد دوم صفحہ ۱۰۱۸)

اسی قصے کے ضمن میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں۔
میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ تو آپؐ نے (نہایت غیض و غضب
میں) فرمایا :-

افلا شققت عن قلبه
(صحیح مسلم جلد ۱)

تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہوتا
کہ وہ حقیقت میں ایمان کا کلمہ پڑھ رہا تھا
یا جان بچانے کے لیے پڑھ رہا تھا۔ مطلب یہ تحقیق کرنا کسی انسان کا کام نہیں تھا بلکہ تمہیں
چاہیے تھا کہ اس کے اقرار پر اکتفا کرتے۔)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :

فکیف تصنع بلا اله الا الله اذا
جاءت یوم القیامة۔
(صحیح مسلم جلد ۱)

قیامت کے دن جب تمہارے سامنے
لا الٰہ الا اللہ آئے گا تو تم کیا
کرو گے۔ (یعنی اس وقت تمہارے پاس کیا
جواب ہو گا)

ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
کے نزدیک "لا الہ الا اللہ" پڑھ لینے کا کتنا وزن ہے! جو کہ اسلامی برادری میں شرکت کا ابتدائی
نشان ہے۔ کہ اگر کوئی غیر مسلم حالتِ جنگ میں بھی جب کہ اس کی صداقت مشکوک ہوتی ہے، اس نشان
کو ظاہر کر دے تو اس کی جان و مال اور عزت و آبرو محترم ہو جاتی ہے۔ پس جب ایسے شخص کے
معاملہ میں بھی یہ حکم ہے تو جن لوگوں کے متعلق کوئی شک بھی نہ ہو اور ان میں ایمان کی دوسری علامتیں
بھی موجود ہوں ان کی حرمت ظاہر ہے کہ کس درجہ کی ہوگی۔ اور ان کے حقوق ایک مسلمان پر وہ کیوں کر
نہ ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی اخوت کے ان حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے:۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا	مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے
بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ	دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔
آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ	تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اے ایمان والو
قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا	نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ	عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان
عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج	ہنسنے والوں سے (خدا کے نزدیک) بہتر
وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا	ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر
تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِئْسَ	ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان ہنسنے
الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ج	والیوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے
وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ	کو طعنہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے
هُمُ الظَّالِمُونَ ۝	القاب سے پکارو کہ ایمان لانے کے بعد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا	گناہ کا نام لگنا برا ہے اور جو
كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ	لوگ اپنی حرکتوں سے جو باز نہ آئیں تو وہ ظالم
بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا	کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو گمانوں
تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ	سے بہت بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ
بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ	ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ مت لگایا کرو۔
أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ	اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا
مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا	تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا
اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ	ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت
رَحِيمٌ۔	کھائے پس تم کو اس سے گھن آئے اور
(الحجرات ۔ ۱۲)	اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ
	بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اخوت و محبت کی یہی تعلیم تھی جس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ جاہلی عصبیت کے بت کو توڑ کر قریشی النسل فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے حبشی النسل سابق غلام بلال رضی اللہ عنہ کو "آقا" کہلوایا (مناقب بلال رض)
(ترمذی شریف ۲۱۱/۲)

مزید برآں نسل و وطن، قوم و لسان کی انسانی حد بندیوں کو مسمار کر کے صہیب رومی رض سلمان فارسی رض بلال حبشی رض اور ابوسفیان قریشی رض کو لا الہ الا اللہ کی اسلامی برادری کی ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ اور پھر اس صف میں رخنہ ڈال سکنے والی ہر چیز کا راستہ یہ کہہ کر بند کر دیا گیا کہ:—

لا یؤمن احدکم حتی یحب	تم میں سے اس وقت تک کوئی
لاخیه ما یحب لنفسه	کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک جو

حضوریت از خود درگذشتن   دگر بانگ انا الحق کشیدن

اقبالؒ

قصر ملت کی تمام تر مضبوطی، وحدت اسلامی کی تمام قوت اور امت کے تمام طبقوں کی آپس کی اخوت و محبت اور الفت و تراحم کی وجہ سے ہے جس کا مرکز و منبع اللہ کی رسی سے تعلق اور اسلام پر تصلب ہے جو تمام ملت اسلامیہ کو ایک لڑی میں پروتا اور امت مرحومہ کے مختلف افراد کا شیرازہ بندی کرتا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ	اے مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا اس سے
حق تقاتہ ولا تموتن الا	ڈرنے کا حق ہے اور تم مرو لیکن مسلمان
وانتم مسلمون ۝ واعتصموا	اور خدا کی رسی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے
بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا	رہو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ اور یاد
واذکروا نعمت اللہ علیکم	کرو اپنے اوپر اللہ کا احسان کہ تم باہم
اذ کنتم اعداء فالف بین	دشمن تھے مگر اللہ نے تمہارے دلوں کو
قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ	جوڑ دیا اور تم بھائی بھائی ہو
اخوانا ۔	گئے۔

(آل عمران ـــ ۱۱)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے مختلف افراد و طبقات میں اخوت و محبت اور الفت و تراحم کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو پھر کسی قیمت پر بھی یہ رشتہ برقرار رہ سکتا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے قرآن نے کہا:۔

ولو انفقت ما فی الارض	اگر تو زمین میں جو کچھ ہے وہ سب
جمیعاً ما الفت بین قلوبہم	بھی خرچ کر دیتا تب بھی ان کے دلوں
ولکن اللہ الف بینہم انہ	کو جوڑ نہ سکتا۔ لیکن خدا نے ملا دیا ہے

عزت کریں۔ اور اگر اس میں کوئی عیب یا برائی ہو تو اس برائی اور گناہ کو برا جانیں۔ لیکن گنہگار کی ذات سے نفرت نہ کریں۔ گویا بیماری سے نفرت کرنی چاہیئے۔ بیمار کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ہمارے جو بھائی گناہوں کی بیماریوں میں پھنس گئے ہیں محبت و شفقت اور رأفت و رحمت کے جذبے سے ہمدردانہ و مشفقانہ انداز میں ان کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ——

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان احدکم مرآۃ اخیہ	بے شک تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی
فان رأی بہ اذی فلیمطہ	کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے
عنہ	تو دور کر دے (جس طرح آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کے
(ترمذی باب ما جاء فی شفقۃ المسلم	اگر کوئی چیز بری لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو اسے
علی المسلم)	دور کرتے ہیں اسی طرح اپنے بھائی مسلم

کے عیب بھی دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

یہی طریقہ ہے جس کے ذریعہ ملت کے مسلمانوں کی اخوت کا رشتہ باہم استوار کیا جا سکتا ہے اور انتشار و پراگندگی کی موجودہ کیفیت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ باہمی چپقلش و عیب جوئی اور تذلیل و تحقیر کا موجودہ سلسلہ قائم رکھ کر اخوت و یکجہتی کا حصول حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری کی ایک روایت میں فرمایا گیا ہے۔

"بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ، نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو، نہ باہم بغض رکھو۔ بلکہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔"

(بخاری باب ما ینہی عن التحاسد والتدابر صفحہ ۸۹۶)

اس کی شرح میں ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

کانہ قال اذا ترکتم ھذا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اخلاصِ نیت

اسلام جس پاکیزہ زندگی کی راہیں انسانیت پر کھولنے کیلئے آیا ہے
اس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال گفتار و کردار، قلب و نظر اور
روح و جسم کی جملہ حرکات و سکنات، خود غرضی و خود نمائی، عجب و ریا، اور کبر و ناز کی
کثافتوں سے پاک ہوں اور ہماری ہر ہر حرکت کا کعبۂ مقصود وہ ذات جمیل بن جائے
جس کی رضا کونین کا حاصل اور جس کی محبت حضرت انسان کیلئے سرمایۂ افتخار ہے
جس کے سامنے کائنات کا وجود عدم مطلق کی حیثیت رکھتا، زمین والوں کے ارمان تمنائیں اور حسب
نطق گنگ ہیں، اگر حی قیوم کے وجود سے کائنات کی ہستی قائم ہے، اس کے ہنگامے آباد
اور اس کی مجلسیں پر رونق ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی محبت میں سرگرداں ہے کہ اس
جمیل مطلق کے سوا کوئی قابل التفات نہیں، اور انسان کا منتہائے کمال یہی ہے کہ سب
کچھ کر اس کی محبت میں مست اور اسی کے جمال میں کھو کر رہ جائے، نگاہوں میں
اس کے سوا کوئی نہ سمائے اور قلب کی گہرائیوں میں کوئی اور نہ بسے۔ وہ محیط ہے کل ان
اس کے روح و جسم پر اس طرح چھا چکا ہو کہ اس کی ہر ادا اس ناظم حقیقی کے اشاروں کا
عکس اور اس کا ہر عمل اسی کا پرتو ہے۔ کہ اسلام کی حقیقت یہی ہے کہ اپنے کو قلباً

جیسا آشنا کو یگانہ اس ایک کے سپرد کر دیا جائے۔

خامشی چیست ؟ نگہ بند تو جاناں بودن

دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

اور شاید اسی رمز کی طرف حضرت خلیل علیہ السلام کے بھی یہ الفاظ اشارہ کر رہے ہیں ۔

قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ — (ابراہیم علیہ السلام نے کہا) میں فرمانبردار ہوا عالموں کے پروردگار کا ۔

(البقرۃ ـــ ۱۳۱)

کیونکہ اسلام تفویض و تسلیم کا مترادف ہے کہ اپنے کو اسی ایک کے حوالے کر دیا جائے تکوینًا اس کی رضا پر راضی رہا جائے اور تشریعًا اس کے اوامر و احکام کی پابندی اختیار کی جائے اور تمام عمر انقیاد و تسلیم کی مخلصانہ جد و جہد کے وظیفے میں گذر جائے کہ زندگی و جان خلق و امر دونوں محاذ سے اس جان بخشنے والے خالق و آمر کی ملک ہے اور بندہ کا انتہائے کمال یہ ہے کہ جان دینے والے آقا کے سپرد خود کو ایسا کر دے کہ اس شے کا تجزیہ بن جائے اور اس فنا کا حاصل بقا ہے ۔

آں کسے را کہ چنیں شاہ کشد — سوئے تخت و بہتریں جائے کشد

اس لئے سرورِ عالم خیر الانبیاء سید ولد آدم علیہ السلام کی رہنمائی اس مقامِ محمود کی طرف ان الفاظ میں کرائی گئی

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَٰلِكَ
أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے ۔ جو پالنے والا ہے ۔ سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں

(ترجمہ شیخ الہند) (الانعام ـــ ۲۰۰)

توحید و تفویض کا یہ مقام بلند ہمارے آقا فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو روز اول سے ہی لئے مرحمت فرمایا گیا تھا کہ یہ حاصل کر لیں زندگی اپنی نہ رہی تھی بلکہ اپنے کو رب العزت کے کلیتاً سپرد کر کے صفات الٰہی کے کامل ترین رنگ میں جو عالم امکان میں ممکن ہو سکتا تھا) میں رنگی جا چکی تھی۔ اور آپ کی مناجاتیں اس چیز کی گواہی دے رہی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي وَإِلَيْكَ
مَآبِي وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِي

یا اللہ تیرے لئے ہی ہے میری نماز، اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اور تیری ہی طرف ہے میرا پھرنا اور تیرا ہے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں گا۔

(دعائے ماثورہ از قربات عند اللہ و صلوات الرسول امام حنا فوری
ص ۴۲

وہ پاک ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) الحاح و تضرع کے ساتھ اپنے آقا سے یہ دعائیں مانگتی تھی۔ کہ مجھے میرے نفس کے لئے پلک جھپکنے کو حوالے نہ کیا جائے۔ کہ یہ مقام تفویض و فنا کے منافی ہے۔

چنانچہ نسائی و حاکم اور بزار حضرت انس رضی سے آپ کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ أَصْلِحْ لِي
شَأْنِي كُلَّهُ وَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ
عَيْنٍ۔

اے زندہ! اے تھامنے والے، تیری رحمت کے واسطے سے تیری طرف فریاد لاتا ہوں۔ اے میرے تمام احوال کو درست کر دے اور مجھے میرے نفس کی طرف ایک پلک جھپکنے جتنی بھی نہ چھوڑ!

تفویض و سپردگی کے اس منظر کا اندازہ مقربین بارگاہ صمدیت کے امام

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا سے کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے جو ہر رات استراحت کے وقت زبانِ وحی والہام سے ادا ہوتی تھی ۔ امام بخاری و مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت استراحت کیلئے اپنے فرشِ خواب پر تشریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے ۔

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیَ
اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ اَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ
رَغْبَۃً وَّرَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ
اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ
اَرْسَلْتَ (مشکوٰۃ ، باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام)

اے اللہ میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور اپنا چہرہ (ذات و قلب) کو تیری ہی طرف متوجہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ (تمام امور خارجی و باطنی اور کما قال المظہری) تیرے سپرد کرتا ہوں ۔ اپنا پشت پناہ تجھے ہی بناتا ہوں ۔ امید بھی تجھ سے ہے اور خوف بھی صرف تیرے سے ہے ۔ کہ میرا دین کا ٹھکانا اور تجھ سے بھاگنے کی پناہ سوا تیری ذات کے کہیں بھی نہیں ۔ میں ایمان لایا تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ۔

زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک لفظ بندے کی عاجزی اور درماندگی اور رب العزت کی طرف اپنی سپردگی اور تفویض کا مظہر ہے ۔ اسلام کی یہ حقیقت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مبارک سے ظاہر ہوئی ہے کہ اپنی جانوں کو بالکل رب العزت کے حوالے کر دیا جائے ۔ اپنے ظاہری اور باطنی امور کو اُسی قاضی الامور کو سپرد کیا جائے ۔ حقیقی سپردگی یہ ہے کہ بے نیاز ہو کر اسی غنی مطلق کا نیازمند اور سارے سہاروں کو چھوڑ کر اسی کا سہارا قبول کیا جائے کہ ذاتِ عزیز ہی وہ رکن شدید[1] ہے ۔

---

[1] ملہ القصہ ہے حضرت لوط ... او آوی الی رکن شدید ۔ (سورہ ہود ...)

اس کی بارگاہ احدیت میں کوئی ایسا عمل مقبول نہیں جس میں ماسوا کی رضا کا شائبہ بھی ہو. کہ محبوب حقیقی کی غیرت " ہوئے غیرہ " کو برداشت نہیں کر سکتی. اسی لیے زبان رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بار ارشاد ہوا کہ

" قیامت میں جب خدا اگلوں اور پچھلوں کو یک جا کریگا تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے عمل کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک ٹھہرا لیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے کہ خدا ساجھے سے بے نیاز ہے "

(سیرت النبی جلد چہارم صفحہ ۳۵۶ بحوالہ سنن ابن ماجہ باب الریا ترمذی و مسند ابن حنبل)

اور اسی بارگاہ بے نیاز کے سب سے بڑے رمز شناس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہو رہا ہے۔

قل انی امرت ان اعبد اللہ	تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں
مخلصا لہ الدین ٥ وامرت لان	اللہ کی خالص کرکے اس کے لیے بندگی
اکون اول المسلمین ٥ قل انی	اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا کہ میں پہلا
اخاف ان عصیت ربی عذاب	فرمانبردار ہوں. کہہ دے کہ میں ڈرتا
یوم عظیم ٥ قل اللہ اعبد	ہوں. اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی
مخلصا لہ دینی ٥ فاعبدوا	کروں بڑے دن کے عذاب سے
ما شئتم من دونہ ط	کہہ دے کہ اللہ کی ہی بندگی کرتا ہوں
(زمر ۱۳)	اپنی بندگی کو اس کے لیے خالص کرکے
	تو تم (اے کافرو) خدا کو چھوڑ کر
	جس کو چاہو عبادت کرو

حنیف و مسلم بندہ کی پہچان یہ بھی ہے. کہ اس کا سر نیاز بارگاہ وحدت کے سوا کہیں

چھکنے نہ پائے اس کا دل حریم ذات کے جلووں میں کھو کر رہ گیا ہو اور اس کی نگاہیں اس حسن بے جہت سے اس طرح مسحور ہو چکی ہوں۔ کہ التفات و توجہات کا مرکز مولا کے تقدس کے سوا کوئی دوسرا نہ ہو ۔

مصطفٰی راضی لشد الذات

کمالِ حقیقی کے ناظر سالار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قلبی کیفیات اور آرزوؤں کو دعا کے سانچوں میں یوں پیش فرما رہے ہیں ۔

اللھم اجعل وساوس	اے اللہ کر دے میرے دل کے
قلبی خشیتک و ذکرک	خیالات و وسوسوں کو اپنا خوف اور
واجعل ھمتی وھوای	اپنی یاد اور میرے ارادہ اور خواہش
فیما تحب وترضیٰ	کو اس چیز میں کر دے جسے تو اچھا
	سمجھے اور اس سے راضی ہو ۔

کہ وہ دل جس میں وہ سما جاتا ہے ۔ اس کے سوا کسی کی طرف نگاہ نہیں ڈال سکتا ۔ جیسے سورج کی سپیدی کا میسر آ جائے ذروں سے اقتباس نور نہیں کیا کرتا ۔

میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخ نشیمن بھی تو

اس حسن بے پردہ کے سامنے تمام حسن مستور ، اور محبوب ازل کے سامنے تمام محبتیں ماند پڑ جاتی ہیں ۔ اور یہی وہ صدیقیت کا اونچا مقام ہے جس کی طرف شاید ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

الذین آمنوا اشد حبا للہ ۔ (البقرہ)

جو ایمان لائے وہ ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت رکھتے ہیں

کہ عین حسن پر یقین کامل ۔ ماسوا کے غیر نہیں چھوڑتا ۔ مستورِ ازل کا چہرہ ہے

نقاب سامنے آجائے تو کون ہے جو ہوش و خرد قائم رکھ سکے۔

؎ وہ شوخ دلربا جب سامنے آجاتا ہے   تھامتا ہوں دل کو پہلو سے نکل جاتا ہے

اور یہ تجربہ ہے اس قلبی ایقان و صدق کا جسے ہم اخلاص کے نام سے پکارتے ہیں۔ کہ دل کی کائنات پر جب حسنِ ازل کا فیضان ہوتا ہے۔ تو وہ انوار و تجلیاتِ الٰہی سے متاثر ہو کر سراپا اس کے جلوؤں میں مستور اور کیفیاتِ سرمدی میں مخمور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی کاملاً اس کے تابع ہو کر اسی سے ہو جاتی ہے۔

من بجانان زندہ ام و ز جان نیم
من ز جان بگذشتم و جانانیم

چشم دل گوش و دست و پایم او گرفت
من بدل رفتم سراسر او گرفت

ایں بصر دیں سمع چوں آلات اوست
بلکہ ذات من صفات ذات اوست

نغمہ از نا نیست لے از نے بیاں
مستی از صہبا نیست نے از من بداں

چوں مرا دیدی خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدق برگردیدہ

گفتن من گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

تا چوں مست از دیدن ساقی شدیم
مست گشتم از فنا باقی شدیم

(عارف رومی)

كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء ۱۴۲)

ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت مختصر۔

(ترجمہ امام تھانویؒ)

یعنی باطن میں تو ان کے ایمان کی بو تک نہیں پہنچی، ظاہری طور پر اپنی اغراض کے لیے بن رہے ہیں۔ حالانکہ جس دن اللہ کے دربار میں بھید کھلیں گے تو وہ ظاہر جو باطن کے بغیر ہوں گے سراب محض ثابت کر دیے جائیں گے اور اپنے اس دھوکے اور فریب کے سبب جہنم کے عمیق ترین گڑھے میں پھینک دیئے جائیں گے (العیاذ باللہ)۔ کیونکہ ان کا حلق اس سچائی کو قبول نہ کر سکا جس کا وہ زبانی دعوٰی کر رہے تھے اور ان کے قلوب کی گہرائیاں حق کے نور سے قطعاً مستفید نہ ہو سکیں۔ اس لیے جہنم کے تاریک ترین گوشے ان کے سیاہ قلوب کا ٹھکانہ ہوں گے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا (النساء ۱۴۵)

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاوے گا۔

(ترجمہ امام تھانویؒ)

اس کے برعکس جن لوگوں نے تائب ہو کر خلوص نیت سے اپنے دین میں نئی جان ڈالی ہوگی۔ وہ مومنین کے ساتھ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے کہ عمل صالح کی قبولیت کی شرط اول اخلاص نیت ہے۔ چنانچہ اسی آیت سے اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا — لیکن جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں

وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝	اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے ۔
(النساء - ۱۴۶)	(ترجمہ امام تھانوی)

کہ توبہ و اصلاح ، اعتصام باللہ خلوص فی الدین کے مظاہر ہی تو ہیں جب تک قلب اخلاص کی روشنی سے آشنا نہ ہوگا ، نہ تو توبہ کی حقیقت مل سکتی ہے ۔ نہ اصلاح کا دروازہ کھل سکتا ہے ۔ نہ اعتصام باللہ کی سنہری زنجیر ہاتھ آسکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۝	اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت اسی کے لئے خالص رکھیں ۔

کہ خالق کائنات کی ، دل کو گرما دینے والی نگاہیں ہمارے اندر دل میں اس سچائی کو تلاش کرتی ہیں کہ میرا بندہ کلمہ کا دعویٰ کرنے کے بعد اس کی ایمان کی آنکھیں کسی دوسری طرف تو نہیں لگی ہوئیں ۔ ایمان صادق کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ قلب و ظاہر کی تمام کائنات سمٹ کر دست محبوب میں آجائے ۔ اور ہم اپنے اندر دل کے کسی گوشے سے بھی غیر کی طرف متوجہ نہ ہوں ۔ ہمارا مقصد وحید ذات جلیل کی رضا ہو ۔ ہمارا ہر عمل اسی کی خوشنودی کے تابع دل سے حرکت میں آرہا ہو ۔ اور ظاہر و باطن کی خواہشیں سمٹ کر اسکی خواہش کے تابع ہو چکی ہوں

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب ؎
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

قرآن کی آیت ذیل اسی طرف رہنمائی فرما رہی ہے ۔

إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامہ ۲۳) — اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہونگے

انسان کے قلوب و اذہان کی یہی صدق و سچائی ہے جو اس کے اعمال میں جان ڈالتی اور اس کے افعال میں رنگ بھرتی ہے۔ انسان کی اصلاح و فلاح کا سلسلہ اسی ذہنی صحت و صفائی سے وابستہ ہے:

چنانچہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

ألا وإن في الجسد مضغة	سن رکھو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا
إذا صلحت صلح الجسد كله	ہے، جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست
وإذا فسدت فسد الجسد	ہوا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑ
كله ألا وهي القلب.	اور سن لو کہ وہ دل ہے۔

(بخاری و مسلم)

یہی سبب ہے کہ سب اہلِ تصوف کی پاک نگاہوں کا مرکز بھی انسان کی قلبی کیفیات رہی ہیں:

تو بیرون را بنگری و قال را — ما درون را بنگریم و حال را

کہ انسان کی پوری زندگی کی تشکیل جن تصورات و خیالات، احساسات و کیفیات کی بنا پر ہوتی ہے، ان کا سرچشمہ سینہ ہی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسانی اعمال و افعال کے نقوش پہلے پہل ابھرتے ہیں اور انسانی زندگی جن خاکوں میں رنگ بھرتی ہے انکی تیاری کا بھی یہی مقام ہے گویا ہماری زندگی کی ایک ایک حرکت ہمارے اعضاء و جوارح کی جنبش ہمارے اعمال کی تیزی و تندی اور اخلاق و عادات کی نیرنگیاں ہماری اسی قلبی کیفیت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جسے ہم کسی فعل کے صدور سے پیشتر قلب میں محسوس کرتے ہیں اور جسے ہم اپنے الفاظ میں نیت و ارادے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا کوئی فعل بھی قلبی ارادے کے بغیر صادر نہیں ہوتا اور یہی قلبی ارادہ ہمارے ہونے والے کام کا مقصد ہوتا ہے۔ گویا ہم ہر کام کرنے سے پیشتر اس کا مقصد متعین کر لیتے ہیں اور ہمارا ہر کام اسی مقصد کے حصول کیلئے ہوتا

یہی وجہ ہے کہ نیت و ارادہ ہی پر فعل کے حسن و قبح کا انحصار رکھا گیا ہے۔ اگر نیت درست
و نیک ہے تو کام بھی اچھا تصور کیا جا سکتا۔ اور اگر نیت فاسد ہے۔ تو چاہے وہ کام گو ظاہر
میں کتنا ہی اچھا ہو۔ اپنے مقصد کے فساد کی وجہ سے بیکار اور کالعدم ہی جائیگا۔ کیونکہ کام
اپنے مقصد کی وجہ سے ہی معتبر گردانا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کی پردہ کشائی حدیث کے
ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

انما الاعمال بالنیات وانما	عمل کا مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو وہی
لامرئ ما نوی فمن کانت	ملیگا جس کی اس نے نیت کی۔ اگر
هجرته الی الله ورسوله	ہجرت سے مقصود خدا و رسول صلی اللہ
فهجرته الی الله ورسوله	علیہ وسلم کی رضا ہے تو اس کی ہجرت خدا
ومن کانت هجرته الی	کی طرف ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض کیلئے
دنیا یصیبها او امرأة ینکحها	ہے یا کسی عورت کے لئے ہے تو اس
فهجرته الی ما هاجر الیه	کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس
(صحیح بخاری صفحہ ۲)	کی نیت سے اس نے ہجرت کی

ہجرت چونکہ نہایت عظیم اور مشکل عمل ہے اس کی مثال سے یہ واضح فرمایا گیا۔ کہ
تمہارا کوئی عمل خواہ ظاہر میں کسی قدر عظیم الشان و پرشکوہ ہو۔ اگر وہ فساد نیت کی زہر سے مسموم
ہے۔ تو عند اللہ اس کا کوئی اجر نہیں۔ کیونکہ اللہ تو تمہارے دلوں کی پوشیدگیوں کو دیکھتا ہے۔
اگر تم کسی ارادہ سے یہ عمل سر انجام دے رہے ہو۔ وہ عمل کی ظاہری شکل کے بجائے اس
کی حقیقت معنوی کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ قربانی جو اسلام کا ایک بڑا شعار اور خلیل اللہ کی سنت ہے۔
اس کے متعلق بھی ارشاد ہوتا ہے۔

لن ینال الله لحومها ولا دماؤها	خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون
ولکن یناله التقوی منکم	نہیں پہنچتا۔ بلکہ تمہارا تقویٰ اس کو

گئی یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر عمل کیلئے نیت کی اصلاح پر نہایت ہی زور دیا ہے۔ جو ہر وہ کام جو صرف اللہ رب العزت کی رضا اور ذات کیلئے ہوگا۔ انشاء اللہ یقیناً مقبول ہوگا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا	اور جو یہ تمام کام خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرے گا۔ تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے

(نساء — ۱۰)

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔	اور جنہوں نے اپنے پروردگار کیلئے صبر کیا۔ اور نماز قائم کی۔ اور ہم نے جو ان کو دیا ہے اس میں کچھ چھپا اور کھلا طریقے سے خرچ کیا۔ اور جو نیکی سے بدی کو دور کرتے ہیں۔ انہی کے لئے ہے۔ پچھلے گھر (یعنی عاقبت) کا بہتری ہے۔

(رعد — ۲۲)

مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے:-

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ	اور تم تو خرچ نہیں کرتے مگر اللہ کی ذات کو چاہ کر۔

بعض جلیل صحابہ کرام، خصوصاً حضرت صہیبؓ جو اللہ کی رضا کیلئے اپنا سب کچھ کنارہ کر دیے بیٹھے تھے۔ ان کے متعلق فخریہ انداز میں فرمایا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ	بعض ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی خوشنودی چاہنے بیچتے ہیں اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

کہ جان دیکر بھی اگر رضائے محبوب حاصل ہو جائے تو قتل کا سودا ہے۔ باب الفت کا
ایک سرشار حبیب اسی حقیقت سے دار و رسن کو زینت بخشتا ہے اور جان عزیز اپنا
حبیب پر اپنی پرکیف نغموں کے شعور میں پیش کرتا ہے :-

ولست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان للہ مصرعی

ترجمہ اور مجھے پروا نہیں جب کہ مسلمان قتل کیا جاؤں کہ اللہ کے لئے کس کروٹ پر
میرا قتل ہو کر گرنا ہوتا ہے

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء
یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ مرنا تو خدا تعالیٰ کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو ان کٹے ہوئے ٹکڑوں پر برکت
نازل کر سکتا ہے۔ باب البیت سرایا علی صفحہ ۴۲۸ جلد ۱

اخلاص اور رضائے الٰہی کی طلب ہی اعمال میں وزن پیدا کرتی ہے۔ ورنہ اعمال کا ڈھانچہ اخلاص کے بغیر بالکل کھوکھلا ہے جس کی اللہ کے ہاں کچھ بھی وقعت نہیں بلکہ وہ حسرت و یاس کا سبب ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو ایک تمثیل کے ذریعے سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَا	اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے
لَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ	مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے
اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ	ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے
كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا	اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو اس
وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ	عمل شاق کا خوگر بنا کر ان میں پختگی پیدا کریں
بَصِيرٌ ۝ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ	مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلہ پر

أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ
وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا
مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَا
بَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ
ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا
إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ
فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝

ہو کہ اس پر زور کی بارش
پڑی ہو پھر وہ دونا پھل
لایا ہو ، اور ایسے زور کا مینہ نہ پڑے
تو ہلکی پھوار بھی اسے کافی ہے اور اللہ
تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے
ہیں۔ بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات
پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں
کا اور انگوروں اس کے درختوں
کے نیچے نہریں چلتی ہوں۔ اس
شخص کے ہاں اس باغ میں اور بھی
ہر قسم کے (مناسب) میوے ہوں اور
اس شخص کو بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے اہل و
عیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی) قوت
نہیں سو اس باغ پر ایک بگولا آوے
جس میں آگ (کا مادہ) ہو پھر وہ باغ
جل جاوے اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر
بیان فرماتے ہیں تاکہ تم سوچو۔

(ترجمہ امام تھانویؒ) (البقرہ ۔ ۲۶۶)

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ اخلاص والا عمل ہی اللہ کے ہاں پھلتا اور پھولتا ہے۔ اور جو عمل بغیر اخلاص کے کسی پر احسان دھرنے کی نیت سے کسی کو ممنون احسان بنا کر شرمندہ کرنے اور طعنہ دینے کے ارادے سے یا لوگوں کو دکھانے سنانے

کیسے کیا جائیگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی تھا پھر تیز بارش کے برسنے سے
وہ زیادہ صاف ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا اس کا عمل سخت اور چکنے پتھر پر مٹی تھا جسے اس کے فساد
نیت کے پانی نے دھو ڈالا۔ فساد نیت اور عدم اخلاص سے اعمال جس طرح برباد ہوتے
ہیں۔ کس قدر واضح اور دلنشین مثال سے بیان فرمایا۔

کہ دیکھو اپنے اعمال کے لہلہاتے اور میوہ باغ کو ریا وغیرہ سے برباد مت
کرو کہ جس طرح ایک بوڑھا ضعیف شخص جو ہر قسم کے پھلوں سے بھرپور باغ کا مالک ہو
اور چھوٹے چھوٹے بچے رکھتا ہو جو کمانے کے لائق نہ ہوں۔ اور بوڑھے باپ اور ننھے بچوں
کی زندگی کا سہارا یہی باغ ہو۔ ایسے میں ایک باد صرصر کا جھونکا اپنے اندر آگ لئے ہوئے
آئے اور اس زور سے کہ سارے باغ کو آن کی آن میں بھسم کر کے رکھ دے اور اس
طرح اس محتاج و بیکس کی آرزوؤں کے خرمن کو خاکستر کر دے اور اسے ناامیدی
کی گھٹاؤں میں اس وقت چھوڑ دے جب کہ اس کی زندگی اور معاش کا سامان کچھ بھی نہ
ہو سکتا ہو۔ اندازہ کیجئے حسرت و یاس سے اس بوڑھے کی کیا حالت ہوگی؟ اسی طرح
قیامت کے دن جب کہ سارے سہارے ٹوٹ چکے ہوں گے۔ عمل کا وقت گزر چکا
ہوگا اور انسان ایک ایک عمل کیلئے اس بوڑھے سے زیادہ محتاج ہوگا، اس شخص کی کیا حالت
ہوگی، جس نے زندگی بھر اپنے اعمال سے ظاہر میں خوشنما باغ تو لگایا تھا لیکن فساد نیت
کی آگ کے شعلے ہر عمل کی تہہ میں چھپا رکھے تھے۔ لیکن ضرورت و محتاجی کے وقت اعمال کا یہ
حسین باغ بدنیتی کے شعلوں سے جل کر رہ جائیگا۔ سوائے حسرت و یاس ناکامی و نامرادی
کے کچھ اس کے ہاتھ نہیں آئیگا۔ چنانچہ کفار کے متعلق جو کہ ایمان کے فقدان کی وجہ سے
اخلاص کی نیت سے نا معلوم کوسوں دور ہیں ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ
كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ

اور جو کافر ہیں ان کے کام
ایسے ہیں جیسے میدان میں ریت۔

بَلَغَهُ اَنْ ظَمْاٰنُ مَاءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ — کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے اور

لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا — جب وہاں جائے تو اس کو کچھ نہ پائے

(النور — ۵)

غرض جو اعمال اللہ رب العزت کیلئے نہیں کیے جاتے انکی حیثیت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ بلکہ یہ عمل کا عدم ہو کر انسان کی حسرت و یاس کا سبب بنیں گے کہ اعمال میں حسنِ نیت کی وجہ سے اچھائی برائی سے آ جاتی ہے:۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نیتوں کے تفاوت و تضاد سے ایک ہی عمل کے تین مختلف نتیجے بیان فرمائے۔ فرمایا گھوڑا باندھنا کسی کے لیے اجر کا موجب کسی کیلئے پردہ پوشی اور کسی کیلئے گناہ کا سبب ہے۔ جو خدا کی راہ میں باندھتا ہے اجر کا موجب اور اس کا چراگاہ میں رسی لمبی رکھتا ہے۔ تو اس کے چرنے اور ادھر ادھر پھرنے، قدموں کے نشان، لید کرنے اور پانی پینے (غرض ہر چیز کا) ثواب ملتا ہے۔ پردہ پوشی اس کیلئے ہے جو ضرورت کیلئے باندھتا ہے کہ خدا نے اسے دولت دی ہے تو اسے اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے مانگنی نہ پڑے۔ اور وہ اس کی گردن اور پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے، ادا کرتا ہے اور گناہ کا سبب اس کیلئے ہے جو ریا و تفاخر اور اہلِ اسلام سے دشمنی کیلئے باندھتا ہے۔

(صحیح بخاری باب شرب الناس والدواب من الانہار صفحہ ۳۱۸)
(ترجمہ لفظی نہیں کیا گیا تقریباً مطلب لکھ دیا گیا ہے۔)

جملہ دینی اعمال کا تمام تر مدار نیات پر ہے۔ جو کوئی دینی اعمال سے دنیا چاہتا ہے اسے علام الغیوب انکے بدلے دنیا ہی دے گا اور آخرت میں اللہ کے پاس کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اور جو شخص خالصاً لوجہ اللہ اپنے اعمال سے پورے کو سر انجام کریگا۔ وہ اللہ کے ہاں اس سے بدرجہا بہتر اجر و ثواب پائے گا اور سب

جو محض رضائے الٰہی سے بے نیاز ہو جائیگا ۔ کیا نیت کے نتائج کیا ہیں وہ تجربہ عالم میں ملے گے ۔
چنانچہ ایک بڑی اثر انگیز حدیث میں جسے بیان کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین مرتبہ بیہوش ہو ہو کر گرے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عدالت کیلئے نزول فرمائیں گے اور ساری امت اپنے گھٹنے ٹیک دیگی ۔ اس وقت سب سے پہلے ان کی پیشی کا حکم ہوگا جو قرآن کے عالم تھے اور جو جہاد میں مارے گئے تھے اور جو دولت والے تھے پھر اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھیگا کیا میں نے تجھ کو وہ سب کچھ نہیں سکھایا جو اپنے پیغمبر پر اتارا تھا ؟ تو تم نے اس پر کیا عمل کیا ؟ وہ عرض کرے گا یا الٰہا میں شب و روز سناٹے میں قرآن پڑھتا رہا ۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا ۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے ۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائیگا ۔ تو تو اس لئے پڑھتا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ تو بڑا عالم اور قرآن خواں ہے ۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا ۔ (یعنی تو اپنا بدلہ پا چکا) پھر دولت مند سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر دنیا کشادہ نہیں کی یہاں تک کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا عرض کریگا کیوں نہیں اے میرے رب ! دریافت کریگا تو میں نے جو کچھ تجھے دیا اس میں تو نے کیا کیا ؟ جواب دے گا ۔ میں اہل قرابت کا حق ادا کرتا تھا ۔ اور خیرات دیتا تھا ۔ ارشاد ہوگا ۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے ۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا ۔ تو تو اس لیے دیا کرتا تھا ، تاکہ لوگ کہیں تو بڑا سخی ہے ۔ تو یہ تجھے دنیا میں کہا جا چکا (تو اپنا بدلہ پا چکا) اس کے بعد وہ لایا جائیگا جو جہاد میں مارا گیا تھا ۔ تو خدا تعالیٰ اس سے دریافت کریگا تو کس بات کیلئے مارا گیا ۔ کہے گا خدایا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا ۔ تو میں لڑا یہاں تک کہ مارا گیا ۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے ۔ خدا کہے گا تو تو اس لئے لڑا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر

کہیں۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جائیگا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

(سیرت النبی صفحہ ۶۲، ۶۳ جلد ششم)

(بحوالہ جامع ترمذی باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر بہت روئے پھر بولے خدا اور اس کا رسول سچا ہے۔ اور اس حدیث کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:-

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	جو کوئی دنیا کی زندگی اور
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ	اس کی رونق چاہتا ہو
أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ	تو ہم اس کے عمل اسی دنیا
لَا يُبْخَسُونَ أُولٰئِكَ	میں بھگتا کر دیں گے۔ بے کم
الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي	و کاست۔ ان لوگوں کا
الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ	آخرت میں کوئی حصہ نہیں
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا	مگر دوزخ اس دنیا میں
فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا	انہوں نے جو بنایا وہ مٹ
يَعْمَلُونَ ۝	گیا اور جو کیا وہ برباد
(ہود — ۱)	ہو گیا (سیرت النبی صفحہ ۶۳)

غرض جاہ پرور عمل جو ذات الٰہی یا رضائے الٰہی کے مقصد کے علاوہ دوسری اور کسی قلبی خواہش سے ملوث ہے۔ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور کے سر کا چاہنا اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں۔ کہ اس کا بنتے ہوئے دوسرے کی طلب شرک ہے ہے

بتوں سے ہے بندہ خدا کا نہیں   خدا کا نہ ہو جو مسلماں ہو کر

اسی لئے ریا کو متعدد احادیث میں شرک کہا گیا ہے چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:۔

قال خرج علینا رسول	ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ ہم
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آپس میں مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے
ونحن نتذاکر المسیح	تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی
الدجال فقال الا اخبرکم	اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور
بما هو اخوف علیکم	فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ
عندی من المسیح الد	بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے
جال قال قلنا بلی یا رسول اللہ	لئے مسیح دجال سے بھی زیادہ
صلی اللہ علیہ وسلم	خطرناک چیز ہے؟ ہم نے کہا
قال الشرک الخفی ان	ارشاد فرمائیے۔ فرمایا شرک خفی
یقوم الرجل فیصلی فیزید	کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز کیلئے
صلوٰته لما یری من	کھڑا ہو پھر نماز پڑھے مگر
نظر رجل۔	اس لیے پڑھے کہ کوئی شخص
(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۵۴)	اس کو دیکھ رہا ہو

بحوالہ ابن ماجہ

غور کیجئے۔ مسیح الدجال کا فتنہ وہ عظیم فتنہ ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء تک اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے چلے آئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امت کو اس مہیب فتنہ سے بار بار آگاہ کیا۔ جیسا کہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ متواتر نمازوں کے بعد زمانے کے اس عظیم فتنہ سے پناہ مانگی۔ لیکن اس قدر ہیبت ناک فتنہ سے بھی زیادہ خوف کی چیز ہمارے حق میں ریا کو قرار

ریا کاری ہی وہ مہلک آگ ہے جو قلب میں نامعلوم طور پر بلند ہو کر اعمال کے خرمن کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے۔

ادراك الرياء واصعب	ریا کو معلوم کرنا سیاہ
من دبيب النملة في	پتھر پر اندھیری رات میں
ليلة الظلماء على الحجر	چیونٹی کے چلنے کو معلوم
الاسود	کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

(او کما قال)

کہ اگر کوئی کام کامل خلوص نیت سے بھی شروع کیا گیا ہے۔ تو ہماری چھپی ہوئی نفس کی خواہش پوشیدگی سے آکر بجائے خود قلب کی گہرائیوں میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔

اور اغلب استغفار ماثورہ میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

(واللہ اعلم)

وَاَسْتَغْفِرُكَ بِكُلِّ خَيْرٍ	اور معافی چاہتا ہوں میں
اَرَدْتُ بِهٖ وَجْهَكَ	تجھ سے ہر اس نیکی کے بارے
فَخَالَطَنِيْ فِيْهِ مَا لَيْسَ	کہ کرنا چاہا میں نے وہی کو
لَكَ۔	خالص تیرے لیے پھر مل گئی
	اس میں وہ چیز جو خالص تیرے
	لیے نہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ریا کا خوف ہمہ وقت گریباں گیر رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں آئے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو روضۂ مطہرہ کے پاس بیٹھے ہوئے روتے

روتے ہوئے پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا۔ اے معاذ کیوں روتے
ہو۔ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی۔ وہی مجھے رلا رہی ہے۔
آپ نے فرمایا تھا کہ "ریا" کا تھوڑا سا حصہ بھی شرک ہے۔ اور جس نے اللہ کے دوست سے
عداوت کی اس نے اللہ تعالیٰ کو لڑائی کے لیے پکارا۔ اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ (غیر معروف و
غیر مشہور) پرہیزگار نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں جو غائب ہوں تو (عدم شہرت کی بنا
پر) تلاش نہ کیے جائیں اور اگر حاضر و موجود ہوں تو (عدم واقفیت کی بنا پر شرکت میں)
بلائے جائیں نہ قریب کیے جائیں۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ اور وہ غبار آلود
اندھیروں (یا غالباً تیرہ و تاریک مکان مراد ہیں) سے نکلتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف باب الریاء والسمعہ)
(ص ۴۵۴)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ روایت
کیا گیا ہے۔ ایک دن وہ رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا۔ کیوں رو رہے ہو؟ کہنے
لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور
پوشیدہ خواہش نفس میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔
میں نے پوچھا کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی۔ آپ نے فرمایا "ہاں! لیکن
وہ چاند سورج پتھر یا بت کو نہیں پوجیں گے، بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کریں گے۔

(مشکوٰۃ شریف ایضاً)

ریا اور عدم اخلاص کا یہی خوف تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خائف
رکھتا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ منافق نہ ہوں چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً
روایت کیا ہے۔ کہ ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں تیس صحابیوںؓ سے ملا ہوں۔ جن میں سے ہر
شخص اپنے پر نفاق کا خوف کرتا تھا۔ اور ان میں سے کوئی نہیں تھا جو اپنے کو جبرئیل

اور میکائیل کے ایمان پر سمجھتا ہو

(صحیح بخاری باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ وہو لا یشعر

جلد اوّل صــــ ۱۲

سرخیل تابعین حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کا قول بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ نفاق کا خوف مومن ہی کھاتا ہے اور نفاق سے اپنے کو بری منافق ہی سمجھتا ہے۔ بخاری صــ ۱۲

جلیل القدر تابعی ابراہیم تیمی فرمایا کرتے تھے۔

ما عرضت قولی علی عملی	میں جب کبھی اپنا قول
الا خشیت ان	اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں
اکون مکذبا	تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹا نہ

(بخاری صــ ۱۲) ہوں

مخلصین کا یہ گریہ و خوف اس چیز کا پتا دے رہا ہے کہ نیت کا حسن و اخلاص ہی اعمال کی جان ہے۔ اور جہاں یہ آئینہ مکدر ہوا۔ اعمال کا جیتا جاگتا سراپا بے نوری میں تبدیل ہو کر رہ گیا کہ دلوں کی پوشیدگیوں کو جاننے والے آقا کی باریک بین نگاہیں قلوب کی انتہائی گہرائیوں پر نظر رکھتی ہیں جیسا کہ اسرار عبودیت کے سب سے بڑے نقاب کشا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
صلی اللہ علیہ وسلم ان	روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ
اللہ لا ینظر الی صورکم و	علیہ وسلم نے کہ اللہ عزوجل تمہاری
اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم	صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا
واعمالکم	بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو

صحیح مسلم ص ٤١٢ جلد دوم   دیکھتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف ص ٤٥٤

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا اور دکھانے کی برائی متعدد طریقوں سے ذہن نشین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ وشرکہ وفی روایۃ فانا منہ بریء ھو للذی عملہ (مشکوٰۃ ص ٤٥٤ بحوالہ مسلم)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ میں شرک سے بے نیاز ہوں جس نے کوئی عمل کیا اور اس میں (ریا وغیرہ سے) میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا۔ تو میں نے اس کو اور اس کے شرک کو برباد کر دیا اور دوسری روایت میں ہے) میں اس سے بری ہوں۔ وہ عمل) اس کیلئے ہے جس کیلئے اس نے عمل کیا۔

اس شرک سے مراد ریا ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

من صلی یرائی فقد	جس نے دکھاوے کی نماز
اشرک ومن صام یرائی	پڑھی جس نے دکھاوے کا روزہ
فقد اشرک ومن	رکھا شرک کیا جس نے دکھاوے
تصدق یرائی فقد	کا صدقہ کیا اس نے شرک
اشرک	کیا۔

(مشکوٰۃ باب الریاء والسمعہ

بحوالہ احمد)

محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

ان اخوف ما اخاف	میں سب چیزوں میں
علیکم الشرک الاصغر	سے زیادہ جس چیز
قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ	کا خوف تم پر کھاتا ہوں
علیہ وسلم وما الشرک	وہ شرک اصغر ہے صحابہ
الاصغر قال الریاء	نے پوچھا یا رسول اللہ
ایضاً	صلی اللہ علیہ وسلم شرک
	اصغر کیا ہے فرمایا دکھاوا

امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت پر یہ الفاظ بھی بڑھائے

کرتے ہیں کہ

يقول الله لهم يوم يجازي العباد بأعمالهم اذهبوا الى الذين كنتم تراؤن في الدنيا فانظروا هل تجدون عندهم جزاءً وخيراً

(مشکوٰۃ ایضاً صفحہ ۴۵۶)

جن لوگوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائیگا یعنی قیامت کے دن اللہ رب العزت ان ریا کاروں سے کہیگا۔ جاؤ ان لوگوں کے پاس جنکو تم دنیا میں دکھاتے تھے (جن کو دکھانے کیلئے تم نام نہاد نیک اعمال کرتے تھے) پس دیکھو کیا تم ان کے پاس انکا بدلہ اور خیر پاتے ہو (یعنی انکے پاس سے کچھ بھی نہ ملیگا) اور تمہارے سب اعمال برباد ہو گئے۔

کیونکہ اعمال کی جزا سزا کا انحصار قلبی ارادے اور نیت پر ہے اور جب نیت ہی فاسد ہو اور ذات علیم و خبیر کے سوا کسی اور کو اپنے عمل کا مقصد گردانا ہو تو ظاہر ہے کہ عمل کے بھید جاننے والی ہستی ان اعمال کی جزا اسی دیگی جس کیلئے عمل کرنے والے نے عمل کیا ہوگا۔ چنانچہ جس دن دلوں کے بھید کھل جائیں گے۔ اندرون کی کیفیتیں ظہور کا جامہ پہن لیں گی پوشیدگیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ اور اعمال نیتوں کے قالب میں متشکل ہو کر سامنے آ جائیں گے تو جنہوں نے ماسوا کے دکھانے یا سنانے کیلئے نمائشی اعمال سے اپنے کو آراستہ کیا ہوگا۔ عرصۂ محشر میں ان دلوں کے کھوٹ۔ تمام دنیا کے متوالوں کے اعمال جو صرف دکھاوے کی پرچھائیاں تھیں۔ لوگوں کے سامنے ان کی بے ایمانی و بدعملی کا مظہر ہونگے اور انکی رسوائی کا سبب بنیں گے (العیاذ باللہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

عن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع سمع الله به ومن يرائي يرائي الله به

جن لوگوں حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے طلب شہرت کیلئے اپنے اعمال کو مشہور کیا۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۴ بخاری باب الریاء والسمعہ صفحہ ۹۶۲) اللہ تعالیٰ (بھی) اس کے اعمال کی (حقیقت دراصل) کی تشہیر کریں گے۔ تاکہ اس کی ذلت اور فضیحت ہو (اسی طرح) جس نے لوگوں کے دکھاوے کے لیے (غیر اخلاص) سے عمل کیے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو اس کے اعمال کی (حقیقت اصلی) سے مطلع فرمائیں گے۔ (تاکہ وہ اپنی نیت فاسد کی بنا پر رسوا ہو)

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس سے زیادہ تشریح آئی ہے۔
چنانچہ محدث بیہقی شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں۔

انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سمع الناس بعمله سمع الله به سامع خلقه وحقره وصغره
(مشکوٰۃ باب الریاء والسمعہ)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ جو شخص لوگوں کو اپنے اعمال (ریا) شہرت اور نیک نامی کے لیے سناتا پھرے تو اللہ رب العزت لوگوں کے کانوں تک اس کے (اعمال کی حقیقت) اور اس کا خبث اندرون پہنچا دیں گے۔ اور اسے حقیر و ذلیل کر دیں گے
(العیاذ باللہ)

ثابت ہوا کہ نیت اعمال کی جان کا حکم رکھتی ہیں کہ ہر کام کی اچھائی برائی ان کے مقاصد کے پیش نظر ہی کی جا سکتی ہے کسی کو دکھاوے کے لیے اور مشہور ہونے کے ذریعہ عرف عام

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی
حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دن تیزی
کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے۔ ان لوگوں نے جو عمل کئے تھے، ان کا کوئی حصہ ان کو
حاصل نہ ہوگا۔ یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت امام تھانوی ؒ)

کفر و نفاق کے ساتھ اخلاص و حسن نیت جو کہ اعمال کی جان ہے۔
جمع نہیں ہو سکتا۔ کہ اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اعمال کی بجاآوری کا نام ہے اور
اس میں یہ شرط ہے کہ بجاآوری مطابق اوامر و احکام ہو۔ اس لئے کافر و منافق کا کوئی
عمل اخلاص شرعی کا حامل ہو ہی نہیں سکتا اور اس طرح خلاف شریعت اعمال بھی مطلوبہ
اخلاص سے یکسر خالی سمجھے جائیں گے۔ گویا اخلاص کا دائرہ حدود اللہ اور سنت
نبویہ کے محیط سے باہر نہیں۔ یعنی جس طرح اعمال صالحہ (یا معمولات شرعیہ) کی قبولیت
کے لئے اخلاص ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاص کے قبول کیلئے اعمال صالحہ
کا ہونا ضروری ہے گویا قبولیت اعمال کے لئے اخلاص و عمل صالح لازم و ملزوم ہیں
اور ایک کے بغیر دوسرا نتائج کے اعتبار سے معتبر نہیں۔ غرض اعمال صالحہ کے لئے
خلوص نیت روح جسد کا حکم رکھتا ہے جس طرح جسد بے روح کسی کام کا نہیں
اسی طرح اعمال بغیر حسن نیت کے بے فائدہ بلکہ وبال ہے۔ اور ان کی بقا اور وزن کے
لئے اخلاص کا وجود ضروری ہے۔

اعمال میں نیت کا یہی وزن ہے جس کے متعلق حقیقت اسلامیہ کے
بڑے رازداں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر
فرماتے ہیں:۔

واعلم ان النیة روح والعبادة جسد ولا حیاة

للجسد بدون الروح ، والروح لها حياة بعد مفارقة
البدن ولكن لا يظهر آثارها بدونه ولذلك قال
الله تعالى لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن
يناله التقوى منكم وقال رسول الله صلى الله عليه
وسلم . انما الاعمال بالنيات وشبه النبي صلى الله
عليه وسلم في كثير من المواضع من صدقت
نيته ولم يتمكن من العمل الصالح بسبب ذلك العمل
كالمسافر والمريض لا يستطيعان وردًا وظيفًا عليه
فيكتب لهما كصادق العزم في الانفاق وهو مملق
يكتب لأنه انفق واعطى بالنية والمعنى
الباعث على العمل من التصديق بما اخبر به الله
في السنة الرسل من ثواب المطيع وعقاب العاصي
او رجب بامتثال حكم الله فيما امر ونهى ولذلك
وجب ان ينهى الشارع عن الرياء والسمعة
وبين مساويهما اصرح ما يكون من ذلك فقوله
صلى الله عليه وسلم ان اول الناس يقضى
عليهم يوم القيمة ثلاثة رجل قتل في الجهاد
ليقال هو رجل جرئ ورجل تعلم العلم وعلمه
ليقال هو عالم ورجل انفق في وجوه الخير
ليقال هو جواد فيؤمر بهم فيسحبون
على وجوههم الى النار وقوله صلى الله

عليه وسلم عن الله تعالى انا اغنى الشركاء
عن الشرك من عمل عملاً اشرك فيه غيري
تركته وشركه اما حديث ابي ذر رضي الله
عنه قيل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم
ارأيت الرجل يعمل العمل من الخير ويحمده الناس
عليه قال تلك عاجل بشرى المؤمن فمعناه
ان يعمل العمل لا يقصد به الا وجه الله
فينزل القبول الى الارض فيحبه الناس و
حديث ابي هريرة رضي الله عنه قلت
يا رسول الله بينا انا في بيتي في مصلاي اذ
دخل علي رجل فاعجبني الحال التي رأني
عليها قال رحمك الله يا ابا هريرة لك اجران اجر
السر واجر العلانية فمعناه ان يكون الاعجاب
مغلوبا لا يبعث بمجرده على العمل واجر السر
اجر الاخلاص الذي يتحقق في السر و
اجر العلانية اجر اعلاء دين الله و
اشاعة السنة الراشدة

(حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم مباحث الاحسان)

جان لو کہ عمل کی روح نیت ہے۔ اور صورت اس کا
بدن ہے۔ اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی اور روح
کو مفارقت بدن کے بعد بھی ایک قسم کی زندگی رہتی ہے۔ لیکن

زندگی کے آثار ظہور ہونے کے پیوست طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ (قربانی) کے بارے میں فرماتے ہیں "نہ قربانی کا گوشت

اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہارا پرہیزگاری کا جذبہ اس

تک پہنچتا ہے" (چونکہ اصل مقصود ہے لیکن کیونکہ پرہیزگاری کا جذبہ قلبی

انفاق کا نام ہے بغیر ظاہری صورت کے کامل طور پر متحقق نہیں ہو سکتی۔ اس

لئے ظاہری قربانی لازم آئی ورنہ اصل مقصود الٰہی تقویٰ و نیت ہے)

اور اسی وجہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اعمال

کا مدار نیتوں پر ہے۔" اور اسی کی بناء پر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

بہت سے مواقع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو، لیکن اس

کو عمل کرنے سے کوئی چیز مانع ہو۔ اسے عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ

دی ہے۔ جیسے مسافر و مریض اگر ان کو صحت و اقامت کے وقت میں

کسی وظیفہ کا التزام تھا۔ اور اب ان سے سفر و بیماری کی مجبوری کی وجہ

سے وہ عمل نہیں ہو سکتا۔ تو بھی ان کے نامہ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا

یا اس شخص کی مثال ہے (

جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا پختہ و مستحکم ارادہ رکھتا ہے۔ مگر وہ

تنگ دستی کے سبب سے نہیں کر سکتا، (اپنی نیت کی بناء پر) وہ شخص خرچ

کرنے والے کے برابر ہی جانا جائے گا۔ اور نیت سے ہماری مراد

وہ معنی (مدعا و مقاصد) ہیں جو عمل کا سبب اور باعث بنتے ہیں (

اور عمل پر انسان کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین علیہم السلام

کی زبانی وضاحت کر دی ہے دلوں کا جو ثواب اور نافرمانوں کا جو عذاب

بتایا ہے۔ اس کی تصدیق کرنی، یا خدا تعالیٰ کے امر و نہی کی بطیب خاطر

بجا آوری سے خوش ہونا اگر انسان میں نیک اعمال کی طرف عبادت کرنے
کا ارادہ پیدا ہونے کی اصل یہی اسباب ہیں۔ انہی کی بنا پر نیکی کی خواہش
اور بدی سے نفرت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے امتثال امر کی خواہش حاصل
ہونے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ (یہی خالص نیت کی جڑ ہے) اسی وجہ
سے (یعنی نیت کو صاف کرنے کی ضرورت کی بنا پر) شارع علیہ السلام
کو ریا و سمعہ (دکھاوا اور سنانا) سے روکنا پڑا اور ان کی برائیوں کو صاف
طور پر بیان کرنا لازم ہوا۔ چنانچہ انہی وجوہات کی بنا پر کہ اللہ کو خالص
نیت مقبول و منظور ہے۔ اور اعمال میں حقیقتاً نیت ہی مقصود ہے) ریا
اور سمعہ کی برائی کے سلسلے میں مروی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے
کہ سب سے پہلے جن لوگوں پر قیامت کے دن حکم کیا جائے گا وہ تین شخص ہیں۔
ایک تو وہ شخص جو جہاد میں اس لئے شہید ہوا کہ لوگ اسے دلیر کہیں۔ دوسرا
وہ شخص جس نے پڑھا علم پڑھا اور دوسروں کو اس نیت سے سکھایا۔ تاکہ لوگ
اس کو عالم جانیں۔ تیسرا وہ شخص جو نیکی کے مصارف پر مالی خرچ
کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اسے سخی کہیں۔ ایسے لوگوں کو ان کی فاسد
نیت کی وجہ سے جہنم میں ڈالنے جانے کا حکم کیا جائے گا۔ اور پھر
وہ چہروں کے بل دوزخ کی طرف گھسیٹے جائیں گے (ریا و سمعہ کی
مذمت میں) دوسری وہ حدیث قدسی ہے۔ جس میں ارشاد باری ہے۔
میں سب شریکوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں جس آدمی نے میرے لئے
کسی کو شریک کر کے کوئی کام کیا۔ تو میں نے اس کو مع اس کے شریک
کے ناقابل قبول کر کے چھوڑ دیا۔

(اور نیات کی حقیقت کے بارے میں) جو حدیث حضرت ابن

اجر السر (یعنی پوشیدگی کے اجر) سے اخلاص کا ثواب مراد ہے کہ
اخلاص ایک پوشیدہ چیز ہی تو ہے۔ اور اجر العلانیہ سے اجر
ظاہر سے مراد یہ ہے کہ اخلاص کی وجہ سے اللہ کے دین کو بلند کرنے اور سنت مرشد
کی اشاعت کا اجر تجھے ملے گا۔ دوسرا شخص جب اس حالت میں دیکھ کر یہ
معلوم کر لیا ہوگا کہ اللہ والے خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اسی کے ساتھ
مشغول رہتے ہیں۔ یہ ممکن ہے۔ اس کی اصلاح کا سبب بھی
بن جائے اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اس کا خیر خواہ ہو جائے گا۔ جو
مقصد ہے۔)

شاہ صاحب قدس سرہ کے مندرجہ بالا مباحث سے یہ حقیقت
اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اعمال پر نیت کی ہی مہر ثبت ہے ساری دلداری
ہے اور نیت ہی نے عمل کو نور و ظلمت کے جس رنگ میں رنگ دیا ہے۔
انشاء اللہ روز جزا کے دن اعمال انہی نیات کے رنگین لبادوں میں ظاہر ہوں گے۔ فاسد
نیتوں والے خفا اور پوشیدگی کے اس اظہار و اعلان کے بعد اپنی خباثت
باطن اور برے ارادوں کو چھپانے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور ذلت و رسوائی
اور ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ

(الطارق ۔ ۹)

جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی، پھر اس
انسان کو نہ تو خود (مدافعت) کی قوت ہوگی۔
نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی)

اور جنہوں نے اپنے ضمیروں کے سرچشمے کو ہر قسم کی آلائش اور باطنی گندگی سے پاک وصاف رکھا ہوگا۔ اور اپنی نگاہیں۔ ذات قدوس پر جما کر اپنی نجات کا مقصود و محور اسی کو قرار دیا ہوگا۔ ان کے اعمال کی ستھرائی اور پاکی ان صاف شفاف موتی کے دانے کی طرح ہوگی۔ جن جن کا ظاہر و باطن اپنی جاذبیت اور حسن وخوبی کی بنا پر دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ کر رہا ہوگا۔ اور وہ فرحاں وشاداں اپنے اعمال نامے اس ہنگامہ دار وگیر میں انتہائی انبساط اور کمال طمانیت سے لوگوں کو دکھاتے پھریں گے۔ اور پھر سرمدی فوز وکامرانی سے ہمکنار ہو جائیں گے:-

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۝ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝

(الحاقہ)

اس دن سامنے کئے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا۔ میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب سو وہ ہے من مانتے گذران میں اونچے باغ میں۔ جس کے میوے جھکے پڑ رہے ہیں۔ کھاؤ اور پیو رچ کر۔ بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو۔ تم پہلے دنوں میں۔

(ترجمہ شیخ الہند قدس سرہ)

دوسری جگہ ارشاد ہے

إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ
إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝
أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ
مُكْرَمُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ عَلَىٰ سُرُرٍ
مُتَقَابِلِينَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ ۝
بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ۝ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ
يُنْزَفُونَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ۝
كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ ۝

(والصّٰفّٰت ــ ۲)

بے شک تم کو چکھنا ہے عذاب دردناک اور وہی بدلہ پاؤ
گے جو کچھ تم کرتے تھے۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے
ہوئے۔ وہ لوگ جو ہیں۔ ان کے واسطے روزی ہے
مقرر، میوے اور ان کی عزت ہے۔ نعمت کے باغوں
میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے۔ لوگ لیے پھرتے
ہیں، ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا سفید رنگ،
مزہ دینے والی پینے والوں کو، نہ اس میں سر پھرتا
ہے اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں گے۔ اور ان کے
پاس ہیں عورتیں نیچے نگاہ رکھنے والیاں۔ بڑی آنکھوں
والیاں۔ گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے۔

(ترجمہ شیخ الہند)

سورہ والحاقہ کی مذکورہ بالا آیتوں میں " لا تخفیٰ منکم خافیۃ "
کے الفاظ سے گویا اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دائیں ہاتھ
میں اعمالنامے دیکر لذیذ برکات و انعامات سے نوازا جائیگا ان کی چھپی
باتیں، ان کا اندرون باطن جیسے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں گے۔ تو
ان کا اخلاص اور صدق باطن ظاہر ہو جائیگا۔ جو ان کے اس اعزاز و اکرام کا باعث ہوگا کہ بغیر
اندرون کی سچائی کے کوئی عمل قابل التفات نہیں (واللہ اعلم)

اسی طرح سورہ والصّٰفّٰت کی نقل کردہ آیتوں میں اخروی نعمتوں کا نزول کے حقدار
وہی ٹھہرے جو بندے مخلصین ہیں جن کے دل میں اخلاص رچ چکا ہے کہ اللہ
رب العزت کے ہاں ہر نیکی کی قبولیت کی شرط اول اخلاص ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے تو اخلاص کی اسی اہمیت کے پیش نظر پورے دین کو ہی اخلاص کا مترادف
قرار دیا ہے۔

— کہ جو طریقہ زندگی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے عالم میں بھیجا گیا۔
وہ اپنے قلبی و روحانی نور سے ہی اجسام و اجسام کو منور بنا کر عالم کو بقعۂ نور بنانے والا
ہے۔ یہ قلب و باطن کی صفائی و پاکیزگی سچائی و اخلاص ہی ہے۔ جو انسان کے اعضاء و
جوارح میں خالق کائنات کے اوامر کی قبولیت پیدا کر کے اسے ملاء اعلیٰ کے فیضان
قبول کرنے کے قابل بنانے اور رضا و قرب کی انتہائی منازل تک پہنچانے کا داعی
سبب ہے۔

زبان نبوت شہادت دیتی ہے کہ

سن لو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا
جسم درست ہوا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا اور جان رکھو کہ وہ دل ہے۔

(بخاری و مسلم)

الغرض ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی سراپا دل ہی دل
تو ہے جس کے نور پرنے میں کاشانۂ عالم کی روشنی اور جس کے بجھنے میں کرۂ ارض کی
تاریکی و ظلمت مضمر ہے ۔ قلوب کی زندگی کا نور صدق و اخلاص کا وہ عمیق جذبہ
ہے جو انسان کو ایقان و عرفان کی دولت سے سرفراز کر کے بارگاہِ قدس کی
نزدیکی کا سبب بنتا ہے ۔ قرب الٰہی کا زینہ نبوی زندگی کی کلید ، اخروی فوز و
فلاح کا سبب و دنیاوی کامیابی کا راز صرف اخلاص ہی تو ہے جس کی
عمومیت عالم کو گہوارۂ رحمت اور انسان کو فرشتہ بنا سکتی ہے ۔ جس
خوش نصیب کو یہ دولت ہاتھ آگئی ۔ فوز و کامرانی کے انتہائی مدارج پر جا پہنچا
یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی تشکیل میں حسن نیت و اخلاص
کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے ۔ قدم قدم پر اپنی نیتوں کی نگرانی اور اپنی کیفیتوں کا دیکھ
بھال کو ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ آج جب کہ نبوی زندگی کی تشکیل ہماری زندگیوں
میں کلی طور سے ٹوٹ چکی ہے ۔ اس مبارک زندگی کی طرف عود اور اس کی عمومیت
بھی نیتوں کی اصلاح اور اخلاص پر موقوف ہے کہ علیم و خبیر آقا کی بارگاہِ قدس سے
جو ملتا ہے ۔ قلوب کی کیفیتوں کو ہی زرنگاہ دیکھ کر ملتا ہے ۔ پس جس قدر دل کے آئینے
صدق و اخلاص سے روشن ہوں گے ۔ اسی قدر عالم قدس کا فیضان نصیب ہو کر نبوی
زندگی کی راہیں کھلیں گی ۔ اور ظاہر و باطن حقیقت محمدی ﷺ سے مستفیض ہوتا چلا جائے گا
کہ دین کا حاصل حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی ہی تو ہے ۔ جس کی ایک ادا بھی
جان جاکر بھی نصیب ہو جائے تو زندگی قسم کامیابی ہی کامیابی ہے ۔

و

دعوت

اور اس کے تقاضے

امت محمدیہ امت مبعوثہ ہے

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری پیام انسانیت کے نام لے کر آئے۔ اور آپ کے نائب و جانشین کی حیثیت سے آپ کی امت کو اس پیام کا حامل و داعی بنایا گیا۔ اور اس دعوتی ملت کے وجود و قیام و بقا کو اسلام کی دعوت و تبلیغ و محنت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ امت محمدیہ مرحومہ امت مبعوثہ۔

ہے۔ جس کا مقصد دو عالم میں برپا کئے جانے کا مدعا دو دعوت الی الخیر و امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ نصوص قرآنی اور احادیث کثیرہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

آیہ کریمہ :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران ۱۱۰)	تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے نکالی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو۔ اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

اس حقیقت کا اعلان ہے۔

اُمت کا فریضہ

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس امت کا بہترین و خیر امت ہونا اس کے داعیانہ مقام اور آمر بالمعروف وناہی عن المنکر ہونے کی حیثیت سے ہے۔

بقول امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ :-

من تم خیر امة بسبب کونکم آمرین بالمعروف وناھین عن المنکر (تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۲۷)	تمہیں خیر امت تمہارے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والا ہونے کے سبب سے بنایا گیا ہے۔

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے :-

قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي۔	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ یہ طریق ہے میں لوگوں کو توحید (خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں۔

(یوسف — ۱۰۸) دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میری فرمانبرداری کرنے والے بھی

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فیہ بیان انہ مبعوث بدعاء الناس الی اللہ عزوجل علی بصیرۃ من امرہ وانہ یبصر بعینہ وان من اتبعہ فذلک سبیلہ فی الدعاء الی اللہ عزوجل وفیہ الدلالۃ علی ان المسلمین دعاۃ الناس الی اللہ تعالیٰ کما کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک

(احکام القرآن ج۳ ص…)

اس آیت میں بیان ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث کئے گئے ہیں، اس طرح کہ آپ اپنی دعوت اور دین کے بارے میں پوری بصیرت اور روشنی رکھتے ہیں، گویا اس کی حقانیت و حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور جو آپ کا متبع ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اسی بصیرت سے بلاتا ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مسلمان بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح بلانے والے ہیں جیسے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری تھی۔

مفسر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

یقول اللہ تعالیٰ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الثقلین الجن والانس آمرا لہ ان یخبر الناس ان ھذہ

اللہ تعالیٰ اپنے ثقلین (جن و انس) کی طرف مبعوث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کو خبر دے دیجئے کہ …

سبیلہ ای طریقتہ ان لا الٰہ
الا اللہ لا شریک لہ یدعو ا
الی اللہ بہا علی بصیرۃ من
ذالک ویقین و برھان
وکل من اتبعہ یدعو ا
الی ما دعا الیہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم علی
بصیرۃ ویقین وبرھان
عقلی وشرعی۔

وحدہ لاشریک لہٗ کی شہادت کی
طرف دعوت ہی ان کا راستہ، طریقہ
مسلک اور سنت ہے۔ اس
شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی
طرف رسالت بدلیل وبصیرت ویقین و
برہان رکھتے ہوئے بلاتا ہوں۔ اور ہر
وہ شخص جو ان کا متبع ہے، اسی بات
کی طرف بصیرت ویقین کے ساتھ
دعوت دیتا ہے جس کی طرف رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت
دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۶)

گویا آپ کے اتباع کا لازمہ آپ ہی کی طرح یقین وبصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ میں مشغول ہونا ہے۔ اسی ذمہ داری کے پیش نظر خاتم النبیین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اس داعیانہ طرز پر فرمائی تھی کہ امت دین کی حامل اور داعی بن کر اللہ تعالیٰ کے پیام کو آپ کی نیابت میں قیامت تک پورے عالم کو پہنچاتی رہے

بقول علامہ ابن حیان الاندلسی کے۔

"پوری دنیا کو خیر کی، کفار کو اسلام کی اور نافرمانوں کو اطاعت کی دعوت دیتا ہے"

(البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ...)

امت کے اس داعیانہ منصب وحیثیت کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث

سید الملت سید سلیمان ندوی ؒ اور بعض دیگر علماء نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ قرار دیا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت، عالمگیر و دائمی بعثت، قرآن کی ابدیت کا منطقی لازمی یہی تھا۔ کہ آپ کی امت آپ سے فیض پاکر آپ کی ہدایات و تعلیمات کو اپنا کر آپ کے جوارح اور نائب کی حیثیت سے تجدید دعوت کا فریضہ انجام دیتی رہے۔ اور جملہ اقوام و ملل کا رشتہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و احکام سے استوار کرتی رہے۔ تاکہ قیامت تک دعوت کا الٰہی نظام قائم و دائم رہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کا یہ بلیغ فقرہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

الا لیبلغ شاھدکم	تم میں جو حاضر ہیں غائب تک
غائبکم لا نبی بعدی	میرا پیغام پہنچادیں۔ کہ میرے
ولا امۃ بعدکم	بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور تمہارے
(البدایۃ والنہایۃ بحوالہ البزار ج۵ ص۲۰۳)	بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری و جامع ترمذی کی ایک روایت میں آپ کا قول "فلیبلغ الشاھد الغائب" نقل کرکے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر بیان کیا گیا ہے

فوالذی نفسی بیدہ انھا	خدا کی قسم یہ کلمات حضور صلی اللہ علیہ
لوصیتہ الی امتہ	وسلم کی اپنی امت کو وصیت
(صحیح بخاری باب خطبۃ ایام المنی)	تھی۔

البدایۃ والنہایۃ ج ۵ صفحہ ۲۲ بحوالہ
ترمذی حدیث حسن صحیح)

بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں کچھ اور کلمات نقل کئے گئے ہیں۔

فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعیٰ لہ منہ

ممکن ہے حاضر العلم شخص اس شخص تک اس علم کو پہنچا دے جو زیادہ اس علم کو سنبھالنے (اور حق ادا کرنے) والا ہو۔

(صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
رب مبلغ اوعیٰ من سامع)

اس مضمون کی روایات ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۰ ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۱۵۹ اور ابن ماجہ صفحہ ۲۱ وغیرہ میں بھی ہیں۔ گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ کم علم والے زیادہ علم و سمجھ والوں تک بھی دین کی بات پہنچانے میں شرم و دریغ نہ کریں۔ کہ دین کی سرسبزی و شادابی اسی تبلیغ پر موقوف ہے۔ اسی مناسبت سے ارشاد ہے۔

نضر اللہ امرأ سمع منا	اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب
شیئا فبلغہ کما سمعہ	رکھے جس نے ہم سے (دین کی)
	کوئی بات سنی پھر اسی طرح اسے
جامع ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۰	دوسرے تک پہنچا دیا

اس بات کے پہنچانے میں علم کثیر کی ضرورت نہیں، بلکہ ہدایت ہے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ	دوسروں تک پہنچاؤ میری طرف سے
(صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۴۹۱ و	ایک آیت ہی (تم تک) پہنچی
ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۱)	ہو۔

آپ نے وفد عبد القیس کو فرمایا:-

احفظوا واخبروا به من	جو ہدایات تمہیں دی ہیں انہیں یاد
ورائکم	رکھو اور جو تمہارے پیچھے (تمہاری
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳)	قوم ہے) اس سے ان کی خبر پہنچا دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں جھنڈا عنایت کرتے ہوئے فرمایا:-

ادعهم الى الاسلام و	انہیں اسلام کی طرف بلاؤ (اور اگر
اخبرهم بما يجب عليهم	اسلام قبول کریں) تو انہیں اللہ کے احکام
فوالله لان يهدى بك	کی خبر دے جو ان پر واجب ہیں، پس
واحد خير لك من حمر	اللہ کی قسم ہے کہ اگر تیری وجہ سے ایک
النعم	شخص بھی ہدایت پا گیا تو تیرے لئے
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۱)	سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے

حضرت ابن سعد الساعدی کو بھی اسی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۱)

استقصاء مقصود نہیں، کتاب و سنت کے دفاتر امت کے اس دعوتی منصب اور اس کے متعلقہ فرائض کے احکام و فضائل سے گرانبار ہیں، ان تعلیمات کا حاصل امام رازیؒ کے مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے

كونوا امة دعاة الى الخير	ہو جاؤ تم ایک امت بھلائی کی
آمرين بالمعروف ناهين عن	طرف دعوت دینے والی، نیکی کا حکم کرنے
المنكر۔	کرنے والی، برائی سے روکنے والی

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰)

صحابہؓ کا نمونہ

انہیں ہدایات کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ میں ہر شخص امت کی بعثت کا مقصد اس سے پیدا

شدہ شخصوں کا داعی تھا۔ ان کا اُسوہ اور کارنامہ امت کی قائدانہ حیثیت کا ایک ناقابلِ انکار و مبین ثبوت ہیں۔ تاریخ و طبقات اور رجال کی کتابیں صحابہ رض کی اس قرآنی زندگی سے پُر شور ہیں۔ ان میں ہر فرد امت کی بعثت کا اعتراف و اعلان عملی سطح پر اور شہادت کرتا تھا۔

جعفرؓ ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں، نعمان ابن مقرن نے کجکلاہ ایران یزدگرد کے سامنے اور مغیرہ ابن شعبہ نے رستم کو مسلمانوں کے سفراء کی حیثیت سے امت کے منصبی مقام کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ اس دعویٰ کی بیّن دلیل ہے ربعی ابن عامر رض نے ایرانی سپہ سالار رستم کو اس بارے میں جو کہا تھا آج بھی ہر مسلمان کے لئے منشور ہدایت ہے۔

فرمایا:-

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام فارسلنا بدينه الى خلقه لندعوهم اليه

(البداية والنهاية ابن كثير جلد سوم صفحہ ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے، تاکہ جسے اللہ چاہے ہم ان لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی فراخی میں اور باطل مذاہب کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کریں، پس اس نے ہمیں اپنے دین (کے پیغام) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ ہم انہیں اس کے دین کی طرف بلائیں۔

ہر صحابیؓ داعی تھا

یہی خاص تھا جس کی وجہ سے صحابہ رضہ کا ہر شخص ایمان لاتے ہی داعی بن جاتا تھا ۔ ابن اثیر الجزری رحمہ نے اُسد الغابہ میں کئی صحابہ رضہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ۔ ایمان لائے ، اور پھر اپنے قبیلہ کو دین کی دعوت دی ۔ (و دعا قومہ الی الاسلام ——— اسد الغابہ ج چہارم صفحہ ۲۲۳ : ۲۲۹)

یہ ہیچمدان سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا خاصہ تھا کہ جو بھی آپ کے دستِ پاک پر اسلام سے مشرف ہوتا تھا ، انسان ہو یا جن ایمان کے نور کے ساتھ دعوت کا داعیہ و جذبہ ، اور اس کے لئے قربانی و ایثار جد و جہد کا غلبہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا تھا ۔ صحابہ رضہ کے کارنامے اس پر شاہد ہیں ۔ مثال کے لئے ابتداءً اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان و دعوت اور جذبات کے ایک گروہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں

جو ایمان لاتے ہی سراپا دعوت تھے ۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انی رسول اللہ ادعوك الی اللہ فلما فرغ من کلامہ اسلم ابوبکر فانطلق عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما بین الاخشبین احد اکثر سرور منہ باسلام ابی بکر ومضی ابوبکر فراح لعثمان بن عفان وطلحۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے) فرمایا ۔ میں اللہ کا رسول ہوں ، اور تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں ، جب آپ کی بات ختم ہوئی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے (ان کے اسلام لانے کے بعد) ابوبکر رضہ کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے ۔ اور مکہ کی

بن عبید اللہ والزبیر بن العوام وسعد بن ابی وقاص فاسلموا ثم جاء الغد بعثمان بن مظعون وابی عبیدۃ بن الجراح وعبد الرحمٰن بن عوف وابی سلمۃ بن عبد الاسد والارقم فاسلموا رضی اللہ عنہم	دو پہاڑیوں کے درمیان آپ سے زیادہ ابوبکر کے ایمان پر کوئی شخص خوش نہ تھا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے اور عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد ابن ابی وقاص کے پاس گئے۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ سب اسلام لے آئے۔ پھر دوسرے دن عثمان ابن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمان بن عوف، ابی سلمہ بن عبدالاسد اور الارقم کو لیکر آئے انہیں اسلام کی دعوت دی
(البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد سوم ص [illegible])	اور سب اسلام لے آئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ابن اسحاق اس سلسلے میں لکھتے ہیں:-

فلما اسلم ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واظہر اسلامہ دعا الی اللہ عز وجل	یعنی جب ابوبکر اسلام لائے اور اسلام کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص [illegible]، البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص [illegible])

ابن اثیر نے لکھا ہے:-

فجعل یدعو الی الاسلام من	(یعنی جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو

يغشاه ويجلس إليه ۔ (اسد الغابہ جلد دوم ص [illegible])

جو لوگ ان کے پاس آتے تھے ان
بیٹھتے تھے، یہ انہیں اسلام کی دعوت
دیتے تھے۔

چنانچہ اسی بنا پر آپ کے ہاتھ پر عشرہ مبشرہ کے پانچ افراد کے علاوہ ایک پوری جماعت اسلام سے مشرف ہوئی۔ (اسلم على يده جماعة) (اسد الغابہ تذکرہ عثمان)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشغلہ ایمان لاتے ہی دعوت و تبلیغ بن گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کا ایک گروہ آیا، قرآن سنا اور ایمان لایا اور اپنی قوم کی طرف جب لوٹا، تو وہ اسلام کا داعی تھا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ج فَلَمَّا
حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ج فَلَمَّا
قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ
قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا
أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ
مُّسْتَقِيمٍ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ
اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم

ہم نے جب جنوں کی جماعت کے رخ
کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
پھیر دیا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ آئے
تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا
چپ رہو، جب قرآن ختم ہو گیا تو
وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں
خبردار کریں، انہوں نے جا کر کہا،
بھائیو! ہم نے ایک شریعت کا کلام
سنا، جو موسیٰ کے بعد اتاری
گئی ہے اس کے پہلے جو کتاب

مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۔

(احقاف ۔ ۳۱)

آئی ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اور سچائی اور سیدھی راہ بتاتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے پکارنے والے کو قبول کرو، اور اس پر ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔

بہرحال مقصود یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو جن، انسان، ایمان لاتے ہی دین کے داعی اور مبلغ بن جاتے تھے۔ وقت کی قلت مانع ہے۔ ورنہ تفصیلاً بتایا جاتا کہ اسلام کے ان ابتدائی پیروکاروں طالبانِ حق و داعیانِ اسلام کی جماعت نے جن کے مجاہدات اور خون سے دین کا باغ برگ و بار لایا، کس طرح اپنی جانوں پر سہہ کر، آگ و خون، مصائب و آلام، شدائد و بلا، فقر و فاقہ، ہجرت و سفر، کے زہرہ گداز مراحل میں سے گزر کر ایمان و عمل صالح کا نمونہ اور دعوت و تبلیغ کا اسوہ پیش کیا تھا۔ ایک بات واشگاف الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں، کہ جن صحابہ رض نے بھی آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ایمان کا عہد و پیمان باندھا، سابقین صحابہ رض میں سے وہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان و حیدر ہوں، یا صہیب و بلال، عمار و یاسر ہوں یا بعد کے آنے والوں میں عکرمہ و حارث، سہیل و وحشی ہوں (رضی اللہ عنہم اجمعین) سب کی زندگیوں کا محور بلا امتیاز حیثیت ایمان سے لے کر تادمِ مرگ تک ایمان و عمل صالح کی کوشش کے ساتھ دعوت و تبلیغ اقامتِ دین و اعلاء کلمۃ اللہ کی مسلسل و پیہم جد و جہد رہی ہے۔ صحابہ رض کی زندگی میں شخصی اعمال اور اجتماعی حقوق و فرائض کی ادائیگی اور داعیانہ کوششوں میں دوئی کہیں نظر نہیں آتی ایمان لاتے ہی، قرآن اصلاح و شخصی اعمال کی فکر و پابندی کے ساتھ دعوت کے

لئے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں ۔ اور موت کے وقت تک احیاء و فروغ دین کے لئے کوششوں اور قربانیوں میں کمی نہیں ہوتی ۔۔

قرآن گواہی دیتا ہے :-

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

پس بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے پورا کر دیا ۔ اپنا عہد یعنی جہاد میں جان دے دی) اور بعض وہ ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں ۔ اور انہوں نے نہیں بدلا ذرا بھی بدل ڈالنا یعنی اپنے عہد وفا کو نہیں بدلا)

بلکہ ان کی غیرت ایمانی اور اشاعت و بقائے حق کا والہانہ جذبہ دین میں ادنیٰ کوتاہی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا ۔ اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو بے قرار ہو جاتے ۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور فقرہ " اینقص الدین وانا حیّ " اور حضرت انس بن النضر کا قول "

" قوموا فموتوا علیٰ ما مات به النبی صلی اللہ علیہ وسلم "

(زاد المعاد ابن قیم ج ۲)

اسی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی طبقہ ہمیں معلوم نہیں ہوا جو اپنے علم و استعداد کے بقدر دین کا حامل و داعی نہ ہو ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی والہانہ تڑپ اور دین کی اشاعت کے لئے والہانہ و سرفروشانہ جذبہ تھا ۔ جس کی وجہ سے اسلام تئیس سال کے قلیل عرصے میں عالم کی سب سے بڑی روحانی و سیاسی طاقت بن گیا ۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں ایک موقع پر کیا خوب لکھا ہے ۔

وقد کان الصحابۃ رضوان اللہ   صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جہاد

بعد خلافت راشدہ ثلاثین — تیس سال سے بھی کم مدت میں

سنہ ... (رضی اللہ عنہم و — دنیا کے تمام مشرق و مغرب

ارضاھم اجمعین — میں پھیل گئے۔

(والتفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ) — (رضی اللہ عنہم و ارضاھم اجمعین)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اقامت دین، اشاعت اسلام، تبلیغ و جہاد کے فرائض کو کامل جہاد، انتہائی خلوص، پوری فکر، کمال حسن عمل اور سچے جذبہ سے ادا کر کے خیر الامم کی آئندہ نسلوں کے لیے نمونہ قائم کر دیا۔

کہ بہ حیثیت امت، آخر الامم خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تا قیام قیامت، ہدایت خلق، تعلیم کتاب و حکمت، تربیت نفوس، تزکیہ قلوب، اجرائے احکام الٰہی، نفاذ شریعت، کے عظیم فرائض اس کی ذمہ داری میں ادا کرتے رہیں تاکہ عالم میں عدل و انصاف کی خدائی میزان قائم ہو، اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہو، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی کا مقصد پورا ہو۔

ارشاد باری ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً — اور ہم نے تم کو ایک جماعت بنا دیا

وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ — جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال

عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ — پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ

الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا — رہو، اور رسول اللہ صلی اللہ

(البقرہ ـــ) — علیہ وسلم تم پر گواہی دینے

والا ہو۔

مگر یہ ملت جو اس عالم میں اب تو ہر عالم کو اعتدال و انصاف سے الگ

اصولوں پر چلانے کی اور عدل کے ربانی میزان کو برابر رکھنے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے۔ عالم آخرت میں بھی اس کی عادلانہ گواہی اُمم سابقہ پر میزان عمل کے وقت فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ کہ یہ خیر الامم ۔ دنیا میں مراد الٰہی کے شیوع و اجراء اور دین قیم کے پھیلنے کا ذریعہ ہو، اور عالم معاد میں خلاق انصاف کی تکمیل پر اس کی زبان عدل آخری مہر ثبت کرے۔

اسی مضمون کو سورۂ حج کے آخر میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے:-

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

اور اللہ تعالیٰ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو، جیسا کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو اور امتوں سے ممتاز فرمایا، اور اس نے تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی (اس) ملت پر قائم رہو اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور (اس قرآن) میں بھی تاکہ تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں، اور تم لوگوں کے اوپر گواہ ہو۔
(الحج)

امت عزلت و قعود کی زندگی نہیں گذار سکتی

ظاہر ہے کہ ایک ایسی امت جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خلافت، انبیاء علیہم السلام اور خاص کر اپنے نبی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جملہ انسانیت کی طرف بعثت کے منصب جلیل نوازی گئی، ہو جو نسل انسانی کی قیامت تک نگران بنائی گئی ہو۔ جسے وجود دنیا میں نظام عدل کے قائم کرنے، احکام الٰہی کے پہنچانے اور جملہ اقوام و ملل کے لئے شہید بنائی گئی ہو۔ تقویٰ و ہدایت کا امام و پیشوا بننے کے لئے مبعوث کی گئی ہو [illegible] منصب ہی دعوت الی الخیر، رہنمائی خلق، اشاعت احکام، اقامت دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو جس کا وظیفہ بنی آدم کے قلوب کا تصفیہ و تزکیہ، اخلاق عالیہ کی حفاظت اور الٰہی رنگ کا عالم میں نکھارنا ہو۔ کس طرح غفلت و قعود، عزلت و رہبانیت کی زندگی گذار سکتی ہے؟ اس منصب رفیع اور مقاصد و فرائض عظیمہ کا تقاضہ اور لازمہ ہی دعوت و تبلیغ، جہد و جہاد، اور اقامت دین کے متعلق جملہ امور کی کوشش ٹھہرتا ہے۔ وہ تخت پر ہو یا بوریا و تقریر ہو، ہر حال اور ہر حالت میں ہر مقام پر ہر وقت وہ داعی امت ہے، اور اشاعت حق و اقامت دین کی کوشش میں مشغول و مصروف۔ چنانچہ اس کا وظیفۂ اساسی دعوت و جہد فی اللہ کے نعروں سے پر ہے۔

بقول علامہ ابن تیمیہ کے:-

والقرآن مقصودہ بیان	قرآن کا مقصود حق کا بیان اور
الحق و دعوۃ العباد الیہ	اس کی طرف لوگوں کو دعوت
(کتاب الرد علی المنطقیین	دینا ہے
ص ۴۶۹)	

وعطلت النبوة واضمحلت الديانة وعمت الفترة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة واستشرى الفساد واتسع الخرق وخربت البلاد وهلك العباد ولم يشعروا بالهلاك الا يوم التناد

سے غفلت برپا ہو جائے تو نبوت ہی معطل و بیکار ہو جائے، دین مضمحل ہو جائے اور جہالت پھیل [illegible] گمراہی عام ہو جائے اور جہالت پھیل جائے، فساد چھا جائے، بربادی وسعت اختیار کرے، ملک برباد اور مخلوق ہلاک ہو جائے اور ان کو تباہی کا احساس بھی اتنا دیر سے ہو جائے کہ قیامت تک نہ ہو۔

(احیاء العلوم جلد ۲ ص [illegible])

امت کی منصبی ذمہ داریوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو بھی دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا ہے۔

ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں۔

(محمد ــ ۷)

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ

(الحج ــ ۴۰)

اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زبردست ہے زور والا۔

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غفلت برتے گی، تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعائیں مانگے گی، وہ بھی قبول نہیں ہوں گی۔

ارشاد نبوی ہے۔

مروا بالمعروف وانهوا عن	نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو،
المنكر قبل ان تدعوا الله	پیشتر اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا
فلا يستجيب لكم وقبل ان	مانگو، اور وہ قبول نہ ہو اور پیشتر
تستغفروه فلا يغفر لكم	اس کے کہ اس سے مغفرت مانگو
(کنز العمال جلد دوم ص ۲۹۶)	اور تمہیں نہ بخشا جائے۔

(بحوالہ حضرت ابن عمرؓ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:-

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ تم ضرور نیکی کا حکم کرو گے اور برائی سے منع کرو گے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جلد عذاب بھیجے گا، پھر تم دعا کرو گے وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

(مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف بحوالہ ترمذی)

اس قسم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی کیا اہمیت ہے۔ جو مسلمانوں کو سلطنت وحکومت میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی بلکہ مسلمانوں کو اگر تمکن فی الارض بخشا جاتا ہے۔ تو وہ شخصی وا جتماعی اوامر الٰہیہ کو نافذ اور منکر کو مٹانے کے لئے ہی عطا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:-

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں
الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ	ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز
اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ	اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے
وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَ	کام کا اور منع کریں برائی سے اور
لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ہ	اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے آخر
(الحج ۔ ۲)	ہر کام کا ۔

غرض امت کی جان دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، امت میں جس قدر ان اعمال کی پابندی ہوگی۔ دنیوی و اخروی فوز و کامرانی سے سرفراز ہوگی، اور جس قدر ان اعمال میں کوتاہی واقع ہوگی۔ امت زوال و انحطاط میں مبتلا ہوگی، یہی کہ نصرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر قبول ہدایت کے لئے دروازے مفتوح ہوتے ہیں۔ اور افراد و اقوام دین میں داخل ہوتی ہیں

ارشاد الٰہی :-

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ وَ	جب خدائی مدد اور فتح آ جائے
رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ	اور تو لوگوں کو خدا کے دین میں جوق در
دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ	جوق آتا دیکھ لے، تو اپنے رب کی تسبیح
(النصر)	اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت

مانگ ، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے ۔

(ترجمہ ابن کثیر صـــ۵۱۴)

سے یہی مستفاد ہوتا ہے جس کی مؤید بے شمار آیتیں اور احادیث ہیں :-

امت کا خصوصی طرزِ تربیت

گزر چکا کہ یہ خیر الامم ایک داعی امت ہے۔ جو تمام عالم کے
انسانوں کی طرف جملہ انبیاء اور خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں
ہدایت اور دینِ ربانی کی دعوت واشاعت کے لئے مبعوث کی گئی ہے۔ منصبِ نبوت
ورسالت وخصائص نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اس امت کو انبیاء علیہم السلام
کے مماثل ان فضائل وکمالات، خصائل ومزایا سے سرفراز کیا گیا جو مختص بالنبوۃ
نہیں (چنانچہ اس مشابہت کی روایات کنز العمال وغیرہ نے نقل کی ہیں دیکھئے ج ۱۲ ص ۲۲۲)
چنانچہ اس امت کو من حیث الامت صلاحِ شخصی، تربیتِ ذاتی ونفسی
اور دعوتِ حق واصلاحِ بنی آدم کا وہ جامع ودقیق نظامِ ہدایت وتربیت عطا فرمایا
گیا، جو انبیاء علیہم السلام کے طرقِ تربیت ودعوت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو حضرات
فرد وجماعت کی صلاح وفلاح تربیت وترقی کا بیک وقت کفیل ہوتا ہے۔ حضرات
انبیاء کا فریضۂ منصبی دعوت وتبلیغ تھا۔ ان کی حیات اشاعتِ دین وتعلیمِ احکام
کی کوشش سے معمور تمام ہے۔ اپنے وظائفِ زندگی کے ساتھ اپنے شخصی
وذاتی عبادت وعبدیت والے ... کے پابند رہتے تھے۔ گو امت کے لئے ان
کے یہ اعمال بھی دین کے قابلِ اتباع احکام کا حکم رکھتے تھے۔ بہرحال ان کی
ناسوتی زندگی میں ان کی ترقیات خصائص نبوت، وکمالاتِ خاصہ کے علاوہ دعوت
اور دینی جہد ومحنت کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں۔ اور دعوت کے پہلو بہ پہلو
ان کی شخصی زندگی کے فرائض کی تکمیل ہوتی تھی۔ اب جب کہ امتِ محمدیہ جملہ انبیاء
علیہم السلام کی نائب بن گئی ہے، اسے بھی تربیت واصلاح کا ایسا دستور

بنایا گیا جس میں امت کے اجتماعی وانفرادی فرائض واعمال میں دوئی و غیریت نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کے احکام لوازم اور ایک دوسرے کے بیک وقت معین و مددگار ہیں یہ اس لئے ضروری تھا۔ کہ امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل اور دعوت الی الخیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے افراد کی شخصی تربیت واصلاح، روحانی ترقی و معاشی ضروریات کا بھی سامان ہو سکے چنانچہ امت مبعوثہ کو وہ طریقہ حیات عطا فرمایا گیا۔ جس میں وہ دعوت و تبلیغ کے فرائض منصبی کی ادائیگی کرتے ہوئے اپنے شخصی و ذاتی اعمال میں مشغول ہو۔ اور اجتماعی وانفرادی کسی حیثیت میں دعوت و تبلیغ کو ثانوی درجہ نہ دے، اجتماعی حیثیت سے دعوت کی اولیت و خصوصیت آیۃ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ" پر غور کرنے سے اور انفرادی حیثیت سے آیۃ :-

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا
إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ
إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝
(حم السجدہ)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی
ہے۔ جس نے بلایا اللہ کی طرف
اور کیا نیک کام اور کہا میں
حکم بردار ہوں۔

بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس امت اور اس کے افراد کی تربیت و ترقیات کا میدان ذاتی اعمال کی اصلاح کے ساتھ دعوت کی راہ میں جہد و محنت کو قرار دیا گیا، اور یہ امت کا امتیاز خاصہ ہے۔ ورنہ امم سابقہ کے افراد کی محنتیں اپنی ذاتی نجات کی ہی کوشش پر عموماً موقوف ہوتی تھیں، اور وہ اپنے ذاتی اعمال کی بجا آوری کے بقدر ترقیات پر فائز ہوتے تھے۔ خیر الامم (جو اقوام عالم کی طرف مبعوث ہے) کو چونکہ امت وانسانیت کی اصلاح و فلاح کا نصب العین و فکر عطا فرما کر پوری انسانیت کی نجات کے لئے سعی و محنت کرنے والا بنایا گیا۔

مسلمانم ہمہ درد دل تپیدن
چوں سیماب از تب یاراں تپیدن

حضور ملت از خود در گذشتن
دگر بانگ انا الملت کشیدن

اب اس امت کے افراد ذاتی اصلاح کی فکر و کوشش کے ساتھ صبر و اخلاص و منہاج نبوی ﷺ کے مطابق دعوت الی اللہ اور دین کی اشاعت میں سرگرم ہوں گے ، ان کے باطنی جواہر چمکیں گے ، ملکات قدسیہ نکھریں گے ، نصرت الٰہی اور فیوض نبویہ ﷺ سے مالا مال ہوں گے ، اور ذاتی و ملی صلاح و اصلاح کی دوہری کوشش ان کے دینی و دنیوی درجات کو بلند کرے گی ۔ غرض حکمت الٰہی نے امت مسلمہ کی تربیت و اصلاح کا وہ طریقہ منتخب فرمایا جو سارے اس کے شخصی و اجتماعی ، ذاتی و ملی مقاصد کے پورا ہونے اور فرد و جماعت دونوں کی اصلاح کا ضامن ہے ۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے ۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ایمان والے مرد اور ایمان والی
عورتیں ایک دوسرے کے مدد
گار ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے
ہیں ، اور بری باتوں سے روکتے
ہیں ، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں
اور زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ اور اللہ اور
اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ۔
ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحم کرے

کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ غالب

حکمت والا ہے۔ (التوبہ ۷۱)

یہاں امت کے فریضۂ منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مقدم بیان فرما کر اس کے اعمال شخصیہ نماز زکوٰۃ اور اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مومنین اپنی اس ذمہ داری کو اپنی ذاتی اصلاح والے اعمال کے ساتھ برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کے فرائض منصبی سے غفلت ہو جائے۔ یا وہ اپنی ذاتی اصلاح ہی کو کافی سمجھنے لگیں۔ سورۃ العصر میں بھی انہیں لوگوں کو دائمی خسارہ و نقصان سے مامون قرار دیا ہے جو ایمان و اعمال صالحہ (شخصی اعمال) اور تواصی بالحق و تواصی بالصبر (اجتماعی اعمال) کے جامع ہیں، اس بنا پر پوری امت پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض قرار دیا جیسا کہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔

امام رازیؒ و علامہ بغویؒ اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں۔

ان اللہ اوجب الامر بالمعروف ونھی عن المنکر علی کل الامۃ فی قولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ (الی آخرہ)	اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمام امت پر اپنے قول کنتم خیر امۃ کے مطابق واجب قرار دیا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ
معالم التنزیل جلد اول صفحہ ۳۳۳)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ ۔۔۔۔ تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اسے

خود احکام کی پابندی کا پابند نہیں کا فرض کرنے کی کوشش کرے گا، اور اپنی زیر نگرانی اشیاء کی حفاظت و نگہداشت احکام الٰہی کے مطابق ہوگا۔

مشہور حدیث ہے:-

قال صلی اللہ علیہ وسلم:	فرمایا: تم میں سے ہر شخص راعی
کلکم راع ومسئول عن	رکھوالا یا نگہبان و ذمہ دار ہے اور
رعیتہ فالامیر الذی	اس سے اس کی رعایا کے متعلق
علی الناس راع علیہم	سوال ہوگا، اگر اس نے کہاں
وھو مسئول عنہم والرجل	تک انہیں احکام الٰہی کے پابند
راع علی اھل بیتہ وھو	بنانے کی اور برائیوں سے روکنے
مسئول عنہم والمرأۃ	کی کوشش کی، اور مرد اپنے
راعیۃ علی بیت بعلہا	اہل خانہ کا ذمہ دار ہے۔ اس
والعبد راع علی مال سیدہ	سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی
وھو مسئول عنہ الا فکلکم	عورت اپنے خاوند اور اولاد کی
مسئول عن رعیتہ	نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق
(رواہ بخاری عن ابن عمرؓ)	پوچھا جائے گا، اور غلام اپنے آقا
	کے مال کا محافظ ہے اس سے اس
	کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس

یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے (دائرہ نفوذ و عمل) میں ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی متعلقہ رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

اس حدیث میں مسئولیت عامہ کا یہ اصول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انسانیت کو بتایا، اور اپنی امت کا اسے امتیاز قرار دیا۔ اپنی

اپنی اہل و متعلقین اور ماتحتوں کی ذمہ داری اور اصلاح کی نگرانی کے اس اصول کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ
(التحریم - ۶)	(کر انہیں نیکی کا پابند بناؤ اور برائی سے روک کر)۔

مفسرین نے "اہل" میں اہل قرابت اور دیگر ماتحت طبقہ کو بھی شامل کیا ہے۔ گویا ہر مسلمان کو اپنے اپنے دائرہ میں خصوصی نگران و ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ کہ وہ برائی کے مٹانے اور خیر و بھلائی کے پھیلانے کے لئے حکمت و شائستگی سے اپنے پورے اختیار و قوت، اقتدار و رسوخ کو اپنے حلقہ اثر اور ماتحتوں میں استعمال کرے گا۔ اور عملاً انہیں نیک بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا، اور جیوں جیوں اس کا دائرہ اختیار و قوت وسیع ہوتا جائے گا۔ وہ اپنی اس کوشش کو پھیلاتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا سے برائی کا نشان مٹ جائے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

اس مسئولیت خاصہ اور اپنے اپنے حلقہ کی نگرانی کے علاوہ امت کے ہر فرد پر اس کے علم و استعداد اور استطاعت کے بقدر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ دین کو بقدر ضرورت جانے اور اس کا علم حاصل کرے اور اسے دوسرے تک پہنچاتا رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تبلیغ کا شغف اور اپنے علم کو دوسرے تک پہنچانے کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا تھا۔ کہ آج ان کے واقعات سن کر حیرت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کی عمومی اشاعت سے احتیاطاً منع فرما دیا تھا کہ لوگ اس کا مطلب غلط سمجھ کر عمل سے غافل نہ ہو جائیں۔

ومامن عبد یشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبده و رسوله الا حرمه الله علی النار۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موت کے وقت کتمانِ علم کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح مسلم جلد اول ص۴۴)

اسی طرح حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کی حدیث کی اشاعت نہیں کی تھی، مرض الموت میں رونے لگے کہ ایک حدیث کی اشاعت نہ ہو سکی، آخر مرنے سے پیشتر بیان کر دی۔

(صحیح مسلم جلد اول ص۴۳)

غرض متعلقین کی مسئولیت خصوصی، تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اشاعت علم کو ہر کہ و مہ کے لئے لازم قرار دیا گیا۔ امت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے تعلیم و تعلم، تبلیغ و دعوت، نصرت دین، ہجرت و نفر کے وہ احکام عطا فرمائے گئے جن پر اس امت اور اسلام کی سرسبزی و شادابی کا مدار ہے۔ علامہ جصاص رازی رحمہ نے احکام القرآن باب فرض النفیر والجہاد میں ان مباحث پر قابل دید بحث کی ہے جس کی نقل کی گنجائش یہاں نہیں۔ قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی ان جملہ احکام و اعمال کے جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، ان شاء اللہ اشارۃً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مکی زندگی میں عموماً صحابہ کرام رضی انفرادی طور پر اپنے فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں مشغول تھے۔ اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب و آلام کو ہنس

رہے تھے۔ ہجرت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے دین کے داعی

وسپاہی، معلم و متعلم اور مدینہ کے مجاہد و سپاہی تھے۔ ایک طرف ان کی جو مجلسیں ہوتیں

ان میں دین کی طلب و شوق ابھرتا۔ یہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتی رہتیں تو دوسری طرف

ان کے افراد و وفود دین سیکھنے اور سیکھ کر دوسروں کو سکھانے میں مشغول رہتے۔

یہاں تک کہ بقول حافظ ابن حجر رحمہ فتح مکہ کے بعد یہ حالت ہو گئی تھی۔

ثم لما فتحت بادرت	فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام
العرب باسلامهم فكان	کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا
كل قبيلة ترسل كبارها	ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا
ليسلموا ويتعلموا ويرجعوا الى	تھا کہ جا کر اسلام لائیں۔ اور علم
قومهم فيدعوهم الى	حاصل کریں۔ اور پھر انہیں
الاسلام ويعلموهم	اسلام کی دعوت دیں۔ اور دین کی تعلیم
(فتح الباری ج ۸ ص ۲۲)	سے روشناس کرایا۔

مسجد نبوی علم کا مدینہ یعنی صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ العلم والارشاد بن چکا تھا

جس کا امی معلم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسیوں کی جماعت کے ساتھ شب و روز دین

کی دعوت و اشاعت، تفہیم و تعلیم، تزکیہ و تذکیر میں مشغول تھا۔ مسجد نبوی ہر وقت تبلیغ

و ارشاد کی مجلسوں، علم و ذکر کے حلقوں اور دین کی اشاعت کی سرگرمیوں، بیرونی

وفود کی آمد، اور تبلیغی وفود کی روانگی اور جہد و جہاد کے چرچوں سے آباد تھی۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت مبعوثہ کی تربیت میں ہمہ تن مصروف

تھے۔ اور امت ان ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے لئے ہر وقت تیار تھی۔

چنانچہ خیر امم کے اس پہلے طبقہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی

کے ساتھ اپنے فرائض ملی کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ زمانہ انگشت بدنداں

اور انسانیت آئینہ حیرت تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ایمانی شان اور بے نظیر سیرت ساری پوری امت کے لئے نمونہ، دلیل اور رہنمائی کا مینار ہے۔

امت کے دو گروہ

ختم نبوت کے بعد پوری امت کو دعوتی ذمہ داری ہی سے گرانبار کیا گیا، دعوت و تبلیغ کا مقصد و فکر اور پوری انسانیت کی اصلاح کا فریضہ عطا فرمایا گیا، اور من حیث الامت نبوت کی نیابت کی ذمہ داری کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔ تاہم اسلام ایک فطری اور عملی دین ہے، وہ خوش فہمیوں کا نظریہ نہیں، اسی وجہ سے تقسیم کار کے اصول کے پیش نظر امت میں سے ایک جماعت کو خالص اور کلیتًہ اسی کام کے لئے چن لیا گیا، جس کا کام اور مقصد اور مشغلہ زندگی ہی تعلیم و تعلم، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوگا۔ وہ دیگر مشاغل دنیوی میں مصروف نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی زندگی نیابت نبوت اور پیغمبرانہ وظائف کی تبعًا بجاآوری کے لئے وقف ہوگی، وہ دین کے علوم میں مہارت تامہ، تفقہ اور بصیرت حاصل کرنے میں پوری محنت و مشقت و کوشش کریں گے، اور حصول علم کے بعد اس علم کو عام کرنے، اور دعوت حق میں ہمہ تن و ہمہ وقت لوجہ اللہ مصروف عمل ہوں گے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیتوں کا منشا و مقصود ہے۔

(دیکھئے بیضاوی جلد سوم ص ۲۰، ابن کثیر جلد اول ص ۳۹۱، بحر المحیط جلد سوم و تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۲۹)

(۱) علماء اور داعیان حق کا طبقہ

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ — اور چاہئے تم میں ایک ایسی جماعت جو خیر

إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ — کی طرف بلاتی رہا کرے اور نیکی کا حکم

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(آل عمران — ١٠٤)

کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے یہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

(التوبہ — ١٢٢)

اور مومنوں کو نہ چاہیئے کہ سب کے سب (تحصیل علم یا جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ ڈر سناویں اپنی قوم کو جب ان کے پاس آویں، تاکہ وہ قوم (سیئات اعمال اور جہل سے بچے) اور احتیاط رکھے)

پچھلی آیت کے ذیل میں امام رازی رح لکھتے ہیں :-

دلت الآية على انه يجب ان يكون المقصود من التفقه والتعلم دعوة الخلق الى الحق وارشادهم الى الدين القويم والصراط المستقيم لان الآية تدل على انه تعالى امرهم بالتفقه في الدين لاجل انهم

آیت وجوب پر اس طرح دلالت کرتی ہے کہ تفقہ اور تعلم سے مقصود مخلوق کو حق کی طرف بلانا ہو، اور ان کو دین قویم اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرنا ہو، کہ آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جب

دنیا میں مصروف رہے گا، اور حقیقتاً اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے رزق کا سامان بہم پہنچاتے گا، اور عالم اسباب میں امت کے دیگر افراد کے ذمہ ان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی ہو گی اصحاب صفہ کے متعلق آتا ہے :-

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ (البقرہ ـ ۲۷۳)

خیرات ان ناداروں کے واسطے ہے ۔ جو بند کئے گئے ہیں بیچ راہ اللہ کے نہیں چل پھر سکتے جانتا ہے ان کو جاہل دولت مند ان کے سوال نہ کرنے سے پہچانتا ہے تو ان کو ان کے چہروں سے نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر

مفسرین نے لا یستطیعون ضربا فی الارض کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ یہ اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) کا گروہ ہے جو قرآن کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہتا تھا اور جہاد و سریہ میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلا کرتا تھا (یخرجون فی کل سریۃ یبعثھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تجارت، طلب معاش اور کسب کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا تھا (لا یتفرغون لتجارۃ وطلب المعاش والکسب ۔)[1] (ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۴)

علامہ ابن قیم رح نے احصروا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

اصل الحصر المنع . فمنعوا انفسھم من تصرفھا فی اشغال الدنیا . وحصروھا علی بذلھا للہ وفی سبیلہ[2]

یعنی حصر کا اصلی معنی روکنا ہے ۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو دنیاوی

---

[1] تفسیر خازن و معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۲۲ [2] التفسیر القیم ص ۱۶۱

اشتغال میں مصروف کرنے سے روک دیا ہے۔ اور انہیں صرف اللہ اور
اس کے راستے (یعنی خدمات دینی) میں صرف کرنے کے لئے خاص کر لیا
ہے۔

مراد یہ ہے کہ علماء کا طبقہ ہر دنیاوی شغل سے بے نیاز ہو کر ہمہ وقت تعلیم و تعلم
دعوت و ارشاد، نفر و تبلیغ اور دیگر خدمات دینیہ میں مصروف رہے۔ تاکہ پوری امت کی
طرف سے دینی ذمہ داری اور اس کے فریضہ منصبی کی وابستگی کا حق پورا ہوتا رہے گویا
عام اصطلاح میں فراغت کے ساتھ علم و دعوت کے لئے وقف ہو جانا فرض کفایہ ہے۔
جو اگر امت کا ایک طبقہ اس طرح ادا کرتا رہے کہ ضروریات دینی کا حق ادا ہوتا رہے تو
باقی امت ذمہ داری اور گناہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔ ورنہ سب گناہگار ہوتے
ہیں۔ بہرحال علماء اور داعیان حق کا یہ گروہ اسلامی نظام دعوت و ہدایت کا مرکزی نکتہ
و محور ہے، یا یوں کہیئے کہ امت کا دل و دماغ ہے۔ جو پوری امت کی شریانوں میں
ہدایت کا خون پہنچاتا ہے۔ اور اسے علوم دینیہ سے بہرہ اندوز کرتا رہتا ہے۔ امت کے
عالی تقاضوں کے بقدر، اس گروہ کا وجود ضروری ہے بقول شخصے۔

؎ کمزوروں کو سنبھالنے کیلئے لاکھوں تو ہوں ؎

تاکہ امت اجابت کی داخلی تربیت و اصلاح تزکیہ و تعلیم کا کما حقہ بندوبست ہو سکے
اور امت دعوت میں تبلیغ اور اشاعت دین کی جملہ ممکنہ صورتیں بروئے کار آسکیں
یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اسلام میں علماء کا طبقہ کوئی موروثی اور نسلی
گروہ نہیں۔ بلکہ امت کا ہر فرد اپنی محنت و قربانی سے یہ مقام حاصل کر
سکتا ہے۔

عامۃ المسلمین کا طبقہ

خواص کے اس طبقہ کے علاوہ دوسرا طبقہ عامۃ المسلمین کا ہے، جو اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے کلیتاً دین کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ امت کی انتہائی اکثریت اسی طبقہ میں ہوگی، جن کا اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہنا معاشی و دنیاوی تقاضوں کی بنا پر ضروری ہوگا۔ بے شک اسلام میں ترکِ دنیا داری کا کوئی تصور نہیں، اس بنا پر اس طبقہ پر بھی فرض ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اپنی اصلاح سے ایک لمحہ غافل نہ ہو، ذاتی و شخصی، دینی و معاشی تقاضوں کا ضروری علم و احکام اور طریقہ سنت کو سیکھتا اور معلوم کرتا رہے کہ

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (ضروری علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔)

ڈاکٹر [illegible] ۲۲۰

اپنے علم پر عمل کرے، اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے اپنے علم کے بقدر دین کی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔ اس بارے میں نصوص کثرت سے وارد ہیں، جو نمونۃً کچھ اوپر گزر چکی ہیں۔ اسی طرح اپنی مسئولیت خاصہ اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال، ماتحتوں کو منکرات سے روکے اور نیکیوں کی ہدایت کرے ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی فکر و کوشش اور ان کے معاملات و معاشرت کی درستگی کے لئے اثر و رسوخ، اقتدار و اختیار کی محبت و قوت سے استعمال میں لائے، تاکہ اس کے دائرہ اثر میں نیکیاں پھیلیں اور برائیوں کا انسداد ہو، مزید برآں اللہ تعالیٰ کی رضا، رسولؐ کی اتباع، اپنے منصب کی ادائیگی اور اپنی اصلاح کی نیت سے قریب و بعید جیسے بھی حالات و ظروف اجازت دیتے ہوں

وفود کی شکل میں یا انفرادی طور پر منہاج نبوت کے مطابق دعوت کے لیے " خروج و نفر " نصرت
دین اور حق " کی بہترین سنت کو پورا کرتا رہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ، انفرادی اور وفود کی
شکل میں تبلیغ دین اور فریضۂ ہدایت کے لیے نزدیک و دور ، یا کاہ لاد اور ہمیشہ نکلتے رہتے
ہیں ، جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں ، لیکن اس کے آداب و شرائط ہیں جو اہل علم اور داعیانِ
حق سے علماً و عملاً معلوم ہو سکتے ہیں۔ دین کے علم اور دعوت کے اصول و مبادی کی تعلیم یا صحبت
کے ذریعہ سیکھے بغیر ہر دینی کوشش لغزش یا ناکامی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے ایسی
کسی تحریک دعوت کی کوشش سے پیشتر ایک مرتبہ چار ، چھ مہینہ تبلیغ و دعوت کے تجربہ
کاروں اور خواص کے ساتھ گزار کر ان کی صحبت میں دعوت کی علماً و عملاً مشق کر لینی بہت
ضروری ہے ، تاکہ آئندہ اپنے علم و فہم کے مطابق صحیح رخ سے دین کی اپنی
استعداد کے بقدر خدمت انجام دے سکے۔ عام انسانوں کا یہ طبقہ دینی فرائض
و اعمال ، ملی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بری اور فارغ نہیں قرار دیا جا سکتا ، پہلا
طبقہ اصل ہے اور یہ طبقہ اس کے اعضاء و جوارح کی حیثیت سے اپنی استعداد کے بقدر
ان کی رہنمائی میں شخصی اصلاح اور دینی خدمات ، امر بالمعروف نہی عن المنکر ، دعوت الی
اللہ کے فرائض اپنی بساط کے مطابق انجام دیتا رہے گا ، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم
کا معمول تھا۔

پہلا طبقہ کلیۃً خدمت دین کے لئے فارغ ہوگا ، اور یہ طبقہ اپنی معاشی
اور کاروباری مصروفیات میں احکام شریعت کے مطابق مصروف رہتے ہوئے اپنے
اپنے دائرہ میں اپنے علم و استعداد اور صلاحیت کے بقدر دعوت و اشاعت و نصرت
دین کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ نے ان دونوں طبقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
" ولتکن منکم امۃ " کی تفسیر میں کہا ہے۔

يقول الله تعالى منكم امة منتصبة للقيام بامر الله تعالى في الدعوة الى الخير والامر بالمعروف والنهي عن المنكر واولئك هم المفلحون. قال الضحاك هم خاصة الصحابة وخاصة الرواة يعني المجاهدين والعلماء. والمقصود من هذه الاية ان تكون فرقة من هذه الامة متصدية لهذا الشان وان كان ذالك واجبا على كل فرد من الامة بحسبه.

اللہ تعالیٰ کہتا ہے تم میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے دعوت الی الخیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کی اقامت کے لئے بالکلیہ کمربستہ ہونے والا ہو اور وہی فلاح پانے والا گروہ ہوگا۔ ضحاک کا قول ہے یہ خاص صحابہ اور خاص راویوں یعنی مجاہدین و علماء کا گروہ ہے۔ لہٰذا اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اس امت کا ایک طبقہ اسی کام کا ہو رہے۔ گو کہ یہ فرض امت کے ہر ہر فرد پر اس کی استعداد کے بقدر فرض ہے۔ لہٰذا امت پر

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱)

دونوں طبقات کی دینی ذمہ داریاں

غرض علماء امت پر خاصۃً اور عامۃ المسلمین پر عموماً علم دین کا حصول، اس پر عمل اور اس کی دعوت اپنے اپنے مقام پر اور علم کے مطابق لازم ہے۔ ہم نے امت کے ان دو طبقات کے متعلق جو عرض کیا، امام غزالیؒ کی ایک تحریر سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی

اعلم ان کل قاعد فی بیته اینما کان فلیس خالیا فی هذا الزمان

یہ بات سمجھ لو کہ اس زمانے میں جو شخص جہاں بھی گھر بیٹھا ہوا ہے، لوگوں کو ارشاد

عن منكر من حيث التقاعد
عن ارشاد الناس وتعليمهم وحملهم
على المعروف فأكثر الناس جاهلون
بالشرع في شروط الصلوٰة
في البلاد فكيف في القرى
والبوادي ومنهم الأعراب
والأكراد والتركمانيه
وسائر أصناف الخلق وواجب
أن يكون في كل مسجد
ومحلة من البلد فقيه يعلم
الناس دينهم وكذا في كل
قرية وواجب على كل فقيه فرغ
من فرض عينه وتفرغ
لفرض الكفاية أن يخرج إلى
من يجاور بلده من أهل
السواد ويعلمهم دينهم وفرائض
شرعهم ....
اما العالم فلتقصيره في
الخروج واما الجاهل فلتقصيره
في ترك التعلم وكل عامي عرف
شروط الصلوٰة فعليه أن يعرف

وتعلیم اور نیکی پر آمادہ کرنے سے قاصر
رہنے کی بنا پر گناہ گار ہے۔ حالت یہ
ہے کہ اکثر لوگ شہروں تک میں نماز کی شرعی
شرائط سے جاہل ہیں۔ پس اس سے
اندازہ لگائیے کہ دیہات اور صحراؤں کے
بدوی، کرد، ترکمان اور دیگر مختلف
طبقات کا کیا حال ہوگا۔ شہر کی ہر مسجد
و محلہ میں ایک فقیہ (یا عالم) کا ہونا
واجب ہے جو لوگوں کو دین کی تعلیم
دیتا رہے۔ اسی طرح ہر گاؤں میں
بھی ایک عالم کا ہونا واجب ہے اور
جو عالم بھی اپنے فرض عین سے فارغ
اور فرض کفایہ کے لئے فرصت رکھتا
ہو اس پر واجب ہے کہ اپنے شہر
کے آس پاس کی بستیوں میں جا کر
لوگوں کو دین کی باتوں اور شریعت کے
فرائض کی تعلیم دیتا رہے۔ اس
بارے میں عالم کا قصور ارشاد و
تعلیم کے لئے نہ نکلنا ہے اور
جاہل کا قصور علم نہ حاصل کرنا ہے لیکن
وہ عامی جو نماز کی شرائط کو جانتا ہو اس پر

غيره والا فهو شريك في
الاثم ومطلوب من الانسان
لا يدعه عالما بالشرع
وانما التبليغ على اهل العلم
فكل من تعلم مسألة
واحدة فهو من اهل العلم
بها ولعمري الاثم على
الفقهاء اشد لان قدرتهم
فيه اظهر وهو بصناعتهم
اليق لان المحترفين لو
تركوا حرفتهم لبطلت
المعايش فهم قد تقلدوا امرا
لا بد منه في صلاح الخلق
وشأن الفقيه وحرفته
تبليغ ما بلغه عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فان العلماء هم ورثة الانبياء

احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ و ۳۲۳

لازم ہے کہ وہ دوسرے کو بتائے
ورنہ وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا
اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان شریعت
کا عالم پیدا نہیں ہوتا ہے اور تبلیغ
اہل علم پر واجب ہے۔ اور جس نے
ایک مسئلہ بھی سیکھ لیا ہے وہ اس مسئلہ
کا عالم ہے اور فقہاء (علماء) عدم تبلیغ
پر بہت زیادہ گناہگار ہوتے ہیں کیونکہ
وہ اس کام کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔
اور اسے بہت اچھی طرح انجام دے
سکتے ہیں دوسرے کاروباری لوگ
اگر بالکل اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ
کر اسی میں لگ جائیں تو معاشی ابتری
پھیل جائے گی انہوں نے ایسی ذمہ داری
لی ہے اور وہ مخلوق کی معاشی ترقی
کے لئے ناگزیر ہے (اس کے برعکس)
عالم یا فقیہ کی تو خاص شان اور
پیشہ یہی ہے کہ جو کچھ احمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے
اسے دوسروں تک پہنچاتا رہے کہ
(یہی وہ کام ہے) جس کی وجہ سے

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اور جب تک روئے زمین پر ایک انسان	ولا یسقط الحرج ما دام یبقی
بھی کسی دینی فرض سے جاہل رہے گا۔	علی وجه الارض جاهل بفرض
اور عالم کو قدرت ہو کہ خود جاکر یا	من فروض دینه وهو قادر
دوسروں کے ذریعہ اس کو بتلا دے تب تک	علی ان یسعی الیه بنفسه او بغیره
وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ قرار	فیعلمه فرضه ....
پائے گا۔ اس کام کی ذمہ داری سے تب	ولا یتفرغ عالم من هذا الا لفرض
ہی سبکدوش ہو سکتی ہے جب اس	عین او فرض کفایة هو
کام سے زیادہ کسی فرض عین یا اہم	اهم منه
واہم فرض کفایہ میں مشغول ہو۔	(احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)

موجودہ دور میں ہر دو طبقات کیا کر سکتے ہیں

آج بھی ان دونوں طبقات کی ہمت و جرأت، اور محنت و کوشش دین کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بن سکتی ہے۔

۱۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت عالم اسلام میں علماء و مشائخ کی کافی تعداد موجود ہے مگر وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہونے کے لحاظ سے صرف طالبین ہی کو علم و مسائل سے آگاہ نہ کریں۔ بلکہ بے طلبوں، نا واقفوں، اور بے دین طبقہ میں بھی طرز نبوت کے مطابق دعوت و تبلیغ کے فرائض ترغیب و تنظیم، حکمت و شفقت، درد و فکر سے انجام دیں۔ تو پورے عالم میں روحانی انقلاب کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے

اس کے لئے یہ مزید حیثیت "لا اسئلکم علیہ اجراً ان اجری الا علی اللہ" کے اجتماعی نبوی
جذبہ کے ساتھ دین کے داعیانہ جذبہ اور مبلغانہ عزم وہمت بحمداللہ آج صالحانہ اور
مشیخیت کا رخ تو باقی ہے لیکن داعیانہ اور مبلغانہ عزم وہمت شاذ ہے۔ ضرورت
ہے کہ ہمارے مدارس اور خانقاہیں طلباء میں تعلیم وتربیت کے ساتھ دعوتی ذوق کے لیے
کے اختیار کی بھی کوشش کریں۔ کہ علماء کا اتفاق ہے کہ علم کا مقصد اپنے عمل کے
علاوہ تبلیغ وارشاد ہے۔ اس کے لئے طلباء کی ذہنی تربیت اور انبیاء علیہم السلام،
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور داعیان حق کے دعوتی کارناموں اور مبلغانہ زندگی کا بغور
مطالعہ ضروری ہوگا۔

مزید برآں انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت وطرز تبلیغ وارشاد کا علم
وعمل لازم ہوگا۔ ضرورت ہے کہ خیر سگالی سے طلبہ میں جذبہ شفقت اور دعوت
کے عملی پہلو کو زندہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انفرادی امر بالمعروف ونہی عن المنکر
کا اہتمام کیا جائے اور دور نبوی اور عصر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح جماعتیں بنا بنا کر مواضع
میں دعوت وتبلیغ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں بھیجی جائیں۔ کہ نبوی دعوت کا
ایک اہم اصول عرض ونفر تھا۔ بے طلبوں اور ناواقفوں میں جب یہ طلبہ دین کی بات
پہنچائیں گے۔ تو اس کے یقیناً دو فائدے مرتب ہوں گے۔ ایک تو ان کی اپنی دعوتی
مشق ہوگی، وہ عوام کے مسائل ان کے دینی تقاضوں سے واقف اور تبلیغ کے عملی
پہلو سے آگاہ ہوں گے۔ دوسری طرف عامۃ الناس میں دینی شعور بیدار ہوگا۔ مسلمان
وعلماء کا رابطہ قائم ہوگا۔ اور اسلامی تقاضوں سے آشنا ہو کر دینی زندگی کے
گزارنے والے بنیں گے۔ غالباً یہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ کہ انبیاء علیہم السلام
کا طرز دعوت بھی ارشاد و واعظ کا طریقہ اور بستیوں میں جا کر دین کی بات
پہنچانا تھا۔ اس سنت کی ادائیگی سے نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہدایت

سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ یہ بات ضروری ہے کہ لوگوں کی دعوت میں مختلف فیہ
اور نزاعی مسائل کو نہ چھیڑا جائے۔ بلکہ متفق علیہ باتوں اور بنیادی امور پر اکتفا کیا
جائے۔ اختلاف کو ہمی لغت کا رنگ نہ دیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کے اسلوب
دعوت کا تتبع و اتباع ہر قدم پر ضروری ہے

۴ عام مسلمانوں کے پڑھے لکھے اور ان پڑھ طبقہ کو دین سے آشنا
کرنے کے لئے ایک اہم تقاضا مسجد کے مرکزی و مربی نظام کا احیاء ہے
عہد سعادت میں مسجد ہی ہمارا اجتماعی و دینی مرکز تھا۔ جہاں علم و ذکر کے حلقے، دعوت
و تبلیغ کی مجالس، عبادت و عبودیت کی فضا میں امت کی ذہنی و فکری، علمی و عملی تربیت
کی کفیل ہوتی تھیں۔ ہر مسجد بیک وقت مدرسہ بھی تھی۔ خانقاہ بھی تھی۔ دارالتربیہ
بھی تھی۔ دارالدعوۃ بھی تھی۔ ضرورت ہے کہ مسجدوں میں ہمارا اہل فکر طبقہ
تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ کا نظم کرے۔ جو جاننے والے ہیں وہ
ناواقفوں کو سکھائیں، جو ناواقف ہیں، وہ اہل علم سے استفادہ کریں۔ جو مسجد
میں نہیں آتے انہیں ترغیب و تشویق سے مساجد میں لایا جائے۔ دین
کی اہمیت، عبادات کا وزن، اعمال کی قیمت، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات
کی صفائی، معاشرت کی درستگی بتائی جائے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے
دینی تقاضوں، دعوت و تبلیغ اور امامت کے فریضہ منصبی کی ادائیگی کے لئے ایثار
و قربانی، معاشرہ کی اصلاح اور امت کی فلاح کے لئے متفکر کیا جائے۔ ہر
مسجد اپنے محلہ اور قریب و نواح کے علاقے میں دعوت و تبلیغ و امر
بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہی ہو۔

غرض مسلمان بننے اور بنانے کے جو شرعی حکیمانہ و معقول طریقے ہوں
ان کے سمجھنے سمجھانے اور عام کرنے اور اسے وظیفہ زندگی بنانے کے لئے

پذیر بنائی جائے۔ تاکہ امت پھر سے اپنے کو پہچانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و دعوت کو اپنا کر حیات تازہ سے سرفراز ہو۔

کیا قیامت ہے کہ وہ داعی امت جو اس قدر عظیم ذمہ داریوں سے گرانبار ہے اپنے مقصد کو بھلا کر اپنے فرائض منصبی و وظائف ملی سے غافل ہو کر دنیا کے سفلی تقاضوں میں ایسی الجھی کہ داعی کے بجائے مدعو اور امام و متبوع کے بجائے تابع اور مقتدی بن کر رہ گئی ہے

وہ ہی ہے آج ٹوٹی ہوئی مینا اسے

کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

موجودہ دینی انحطاط اور اس کا سبب

موجودہ دور میں ملت اسلامیہ پورے عالم میں دینی انحطاط و اضمحلال کا شکار ہے۔ اس کی مثال پوری تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی ہے

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی!

امت جب زندہ تھی۔ اور اپنے فرائض منصبی دعوت الی اللہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ہدایت رسانی خلق کی ادائیگی میں مصروف و مشغول تھی۔ دیگر اقوام و ملل، اسلام کی حقانیت اور داعیان حق کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر جوق در جوق اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں، اور وہ یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر پیش کرتی تھیں۔ ان کا تازہ خون امت کی رگوں میں دوڑتا تھا۔ اور یہ لافانی اور جاودانی امت حیات تازہ پاتی تھی اور اس سیاسی نا تجربہ کار امت کے داعیانہ مزاج اور تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصرفات

عقل و ذہن، روحانی و مادی قیادت، خدا ناآشنا، آخرت فراموش، روح ناشناس،
بے یقین، مردہ دل، دنیا طلب، مادہ پرست مغربی اقوام کے ہاتھ آ گئی۔

ع

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

اور پورا عالم دینی جذبات و برکات کے نور و اثرات سے خالی اور مادیت اور خدا فراموشی کی ظلمت سے شب تاریک بن کر رہ گیا۔

امت کا سب سے اہم و اقدم مسئلہ

اس وقت امت کے سامنے سب سے اقدم و اہم مسئلہ اس کے دینی شعور، داعیانہ مزاج، تبلیغی عناصر، ایمانی حمیت و غیرت، اسلامی فکر اور مغیبات حقہ پر یقین کے احیاء کا ہے۔ تاکہ پھر سے مسلمانوں میں امت مبعوثہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی اور مفوضہ وظائف کی ادائیگی کا داعیہ و تقاضا زندہ و بیدار ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح امت ایمان و یقین، اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر نیابت نبوت اور ہدایت رسانی خلق کی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اگر امت دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو اس کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی امتیازی حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس باب میں قول فیصل ہے۔ آپ نے چند مد دعاۃ ۔ کو حج کے موقع پر دیکھا۔ آپ نے آیت کنتم خیر أمة أخرجت للناس پڑھی اور ارشاد فرمایا

من سرہ ان یکون من ھذہ الامة فلیؤد شرط اللہ فیہا

یعنی جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس خیر الامم میں سے ہو تو اسے اس کی شرط کو پورا کرنا چاہیے

یعنی اسے امر بالمعروف نہی عن المنکر ایمان باللہ کی صفات سے متصف ہونا چاہئیے۔ غور کیجئے
جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو کہا جاتا ہے۔

یٰایُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ	اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے
مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا	رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ	نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام
(المائدہ)	(رسالت)

گویا تبلیغ و رسالت، کو مرادف قرار دیا گیا۔ اگر امت محمدیہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی۔ تو یقیناً اس غفلت پر اپنی خاص حیثیت کھو دے گی اور نصرت الٰہی، سرفرازی و فلاح کے ان وعدوں سے محروم ہو جائے گی، جو اس منصب کی وجہ سے اس کے ساتھ کئے گئے تھے۔

آج امت کے تقریباً اساسی دین جو عموماً بگاڑ گیا ہے۔ اور اپنے مقصد حیات کو بھول چکی ہے۔ اس کی احیاء کے لئے پھر سے امت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ دعوت و تربیت اور نظام اصلاح و فلاح کو اپنانا ہوگا جس کے کچھ اجمالی اشارے گذر چکے ہیں۔ یہ مزاج و طریقہ نبوت قوام ملت ہے۔ کتاب اللہ نہ صرف کتب ہدایت بلکہ صحیفہ نظام ہدایت اور طریقہ دعوت بھی ہے۔ قرآن نہ صرف دعوت ہے، بلکہ طرز دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوہ نبویہ نہ صرف امت کے لئے نمونہ ہدایت ہے بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تا قیامت ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل احسن و اکمل اور موثر ترین طریقہ ہے۔ امت آج جس بے یقینی، غفلت، غلط روی۔ اور بے عملی بلکہ بدعملی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کا علاج اپنی اصلاح کے ساتھ دعوت و تبلیغ احیاء دین کے لئے جدوجہد، محنت و کوشش، ایثار و قربانی کے وہی عزائم و اعمال ہیں جن کا نقش حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم نے ابتدائے اسلام میں عالم پر حکم کیا ہے۔ ؎

دیکھا یہ بیماری دین ! تشنگی کی دلیل

حق اس کو دین آب نشاط انگیز ہے ساقی

امت اگر زندگی چاہتی ہے۔ تو اسے پھر سے اسی والہانہ جذبہ کو جو قربان کئے جا رہی ہے زندہ کرنا ہوگا۔ حالات حاضرہ پر تقاضا صرف یہ ہے ؎

تا کجا بے غیرت دین زیستن

اے مسلماں مردن است این زیستن

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم

تا کجا در حجرہ می باشی مقیم

در جہاں اسرار دیں را فاش کن

نکتہ شرع مبیں را فاش کن

امت کا سواد اعظم، جہالت، غفلت، دینی تعلیم سے محرومی، نئی تعلیم یا انگریزوں کی پیدا کردہ دین سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور جس طرح امت اپنی معاشرت و تمدن تہذیب و شعائر سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اور جس طرح اسلامی اخلاق و معاملات مٹ رہے ہیں۔ عبادات تک میں بے اعتنائی عام ہو چکی ہے۔ یہاں تک عقائد تک میں تزلزل آ گیا ہے۔ اور جس طرح دنیا طلبی، دین سے بے رغبتی، الحاد و دہریت، غفلت و بے عملی امت پر اپنا سایہ ڈالتی چلی جاتی ہے۔ اگر امت پر اپنا کامل چابک دستی، سبک رفتاری، بلند ہمتی، عزم راسخ سے اپنی جد و جہد مستقل رہی، توانائیوں ظاہری و باطنی مادی و روحانی قوتوں کو حفاظت دین اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت و تبلیغ، افراد امت کی تشکیل و اجتماعی اصلاح کی طرف مرکوز نہ کیا تو خاکم بدہن اندیشہ ہے۔ کہ العیاذ باللہ۔

اسلام کی نام لیوا موجودہ امت مٹا کر رکھ دی جائے اور یہ امانت دوسروں کے سپرد کر دی جائے

(اقتباس از خطبات)